مجلس انصار اللہ یوکے علمی تعلیمی تربیتی مجلہ

انصار الدین

مئی، جون ۲۰۱۵ء　　ہجرت، احسان ہجری شمسی ۱۳۹۴　　جلد ۱۲ شمارہ ۳

مجلس انصار اللہ یوکے چیریٹی واک 2015



﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد 11   نمبر 3

مئی وجون 2015ء

فہرست مضامین

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔

نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

صدر مجلس انصاراللہ

چودھری وسیم احمد

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر: محمود احمد ملک

نائبین: حبیب الرّحمٰن غوری، صفدر حسین عباسی

مینیجر: محمود علی مرزا

ترسیل: فیاض احمد ملھی (انچارج)

میاں اخلاق احمد، رانا ظہور احمد، سعادت جان

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا

سالانہ اجتماع ومجلس شوریٰ

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا سالانہ اجتماع اور مجلس شوریٰ 18 تا 20 ستمبر 2015ء (بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ اور اتوار) بمقام مسجد بیت الفتوح لندن منعقد ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تمام انصار بھائیوں سے درخواست ہے کہ شمولیت کو بروقت یقینی بنانے کے لئے ابھی سے تیاری شروع کردیں اور کام سے رخصت نیز ٹرانسپورٹ کا انتظام فرمالیں۔

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddinuk@hotmail.com

درس القرآن

قرآن کریم پڑھنے کی عادت ڈالیں

''ہر احمدی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی تعلیم پر نہ صرف عمل کرنے والا ہو، اپنے پر لاگو کرنے والا ہو بلکہ آگے بھی پھیلائے...... ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فقرہ ہمارے ذہن میں ہونا چاہئے کہ جولوگ قرآن کوعزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ ہم ہمیشہ قرآن کے ہر حکم اور ہر لفظ کو عزت دینے والے ہوں گے۔ اور عزت اس وقت ہوگی جب ہم اس پر عمل کر رہے ہوں گے۔ اور جب ہم اس طرح کر رہے ہوں گے تو قرآن کریم ہمیں ہر پریشانی سے نجات دلانے والا اور ہمارے لئے رحمت کی چھتری ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:83) اور ہم قرآن میں سے وہ نازل کرتے ہیں جو شفا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت ہے اور وہ ظالموں کو گھاٹے کے سوا اور کسی چیز میں نہیں بڑھاتا۔''

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 629-628)

''اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ)۔ یہ وہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت دینے والی ہے متقیوں کو...... اپنے رب کی عبادت کرو تو تقویٰ میں بڑھو گے۔ اور تقویٰ میں بڑھنے کے لئے قرآن کریم جو خدا کا کلام ہے اس کو بھی پڑھنا ضروری ہے، اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ پس تقویٰ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک قرآن کریم کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا زندگیوں کا حصہ نہ بنالیا جائے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 ستمبر 2005ء بحوالہ مشعل راہ جلد پنجم حصہ سوم صفحہ 107)

قرآن کریم ایک کامل اور حسین تعلیم

''قرآن کریم جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب ہے اور ہر قسم کے ممکنہ عیب سے پاک ہے اور نہ صرف پاک ہے بلکہ ہر قسم کی حسین اور خوبصورت تعلیم اس میں پائی جاتی ہے جس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اور اس میں وہ تمام خوبیاں شامل کر دی گئی ہیں جن کی پہلے صحیفوں میں کمی تھی اور اب یہی ایک تعلیم ہے جو ہر ایک قسم کی کمی سے پاک ہے۔ بلکہ اس تعلیم پر عمل کر کے ہر برائی سے بچا جا سکتا ہے۔ اور نہ صرف بچا جا سکتا ہے بلکہ اس کی تعلیم پر عمل کرنے اور اس تعلیم کو لاگو کرنے سے ہی اپنی اور دنیا کی اصلاح ممکن ہے۔ یعنی یہ تعلیم جو آنحضرت ﷺ پر اتری یہی اب دنیا کی اصلاح کی، دنیا میں نیکیاں رائج کرنے کی، دنیا میں امن قائم کرنے کی، دنیا میں عبادت گذار پیدا کرنے کی، دنیا میں ہر طبقے کے حقوق قائم کرنے کی ضمانت ہے۔''

(خطبہ جمعہ 4 مارچ 2005ء بحوالہ خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 128-127)

حدیث النبی ﷺ

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب تین آدمی سفر پر جائیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کرلیں''۔

(ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی القوم یسافرون حدیث نمبر 2241)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینبؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا میری طرف سے صدقہ ہوجائے گا اپنے خاوند کے لئے جب کہ وہ محتاج ہے اور اپنے بھائی کے بچوں کے لئے جو یتیم ہیں۔ فرمایا: ہاں۔ تیرے لئے دوہرا ثواب ہے۔ ایک صدقہ کا اور ایک رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا۔

(سنن ابن ماجه كتاب الزكوٰة باب الصدقة على ذى قرابة حديث نمبر 1824)

حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص محض شہرت کی خاطر کوئی کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رُسوا کردے گا اور جو ریا کاری سے کام لے گا اللہ تعالیٰ اس کی ریا کاری سب پر ظاہر کردے گا۔

(صحيح بخاری كتاب الرقاق باب الرياء والسمعة حديث نمبر 6018)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس سے اس کے مسلمان بھائی نے کوئی مشورہ طلب کیا اور اس نے بغیر رُشد کے مشورہ دیا (یعنی بغیر غور و خوض اور عقل استعمال کئے مشورہ دیا) تو اس نے اس سے خیانت کی''۔ (الأدب المفرد۔از حضرت امام بخاریؒ)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد عبداللہؓ قرض چھوڑ کر جنگ اُحد میں شہید ہو گئے اور قرض اتارنے کے لئے کھجوروں کی کئی سال کی فصل بھی ناکافی تھی۔ رسول اللہ ﷺ میری درخواست پر تشریف لائے اور کھجوروں کے ڈھیروں کے گرد دعا کی اور آپؐ کی دعا کی برکت سے سارا قرض ادا ہوگیا اور کھجوریں بچ بھی گئیں۔ (صحيح بخاری كتاب المغازی باب اذهمت طائفتان ـ حديث نمبر 3747)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن غنم بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بُرے بندے وہ ہیں جو غیبت اور چغلیاں کرتے پھرتے ہیں۔ پیاروں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں اور نیک لوگوں کو مشقت اور ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ (مسنداحمد حديث نمبر 17312)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا وَّعَمَلًا مُتَقَبَّلًا۔ (ترجمہ:) اے اللہ مَیں تجھ سے نفع مند علم، طیب رزق اور مقبول اعمال بجالانے کی التجا کرتا ہوں۔

(سنن ابن ماجه كتا ب اقامة الصلوٰة ما يقال بعدالتسليم حديث نمبر915)

کلام الامام علیہ السلام

ظاہر و باطن میں اسلام کا نمونہ اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے تشریف لائے۔ عرب صاحب نے انگریزی وضع قطع پر کچھ ذکر چھیڑا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

انسان کو جیسے باطن میں اسلام دکھانا چاہئے۔ ویسے ہی ظاہر میں بھی دکھلانا چاہئے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہئے جنہوں نے آجکل علیگڑھ میں تعلیم پا کر کوٹ پتلون وغیرہ سب کچھ ہی انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے حتی کہ وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی عورتیں بھی انگریزی عورتوں کی طرح ہوں اور ویسے ہی لباس وغیرہ وہ پہنیں۔ جو شخص ایک قوم کے لباس کو پسند کرتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ اس قوم کو اور پھر ان کے دوسرے اوضاع و اطوار حتی کہ مذہب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے۔ اسلام نے سادگی کو پسند کیا ہے اور تکلّفات سے نفرت کی ہے۔

چھری کانٹے سے کھانے پر فرمایا کہ: شریعت اسلام نے چھری سے کاٹ کر کھانے سے تو منع نہیں کیا۔ ہاں تکلّف سے ایک بات یا فعل پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اس قوم سے مشابہت نہ ہو جاوے ورنہ یوں تو ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے گوشت کاٹ کر کھایا۔ اور یہ فعل اس لئے کیا کہ تا اُمت کو تکلیف نہ ہو۔ جائز ضرورتوں پر اس طرح کھانا جائز ہے۔ مگر بالکل اس کا پابند ہونا اور تکلّف کرنا اور کھانے کے دوسرے طریقوں کو حقیر جاننا منع ہے کیونکہ پھر آہستہ آہستہ انسان کی نوبت تتبّع کی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ ان کی طرح طہارت کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ من تشابه بقوم فهو منهم سے مراد یہی ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت ایک جائز ضرورت کے لحاظ سے کر لینا منع نہیں ہے جیسے کہ بعض دفعہ کام کی کثرت ہوتی ہے اور بیٹھے لکھتے ہوتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ کھانا میز پر لگا دو اور اس پر کھا لیا کرتے ہیں اور صف پر بھی کھا لیتے ہیں۔ چارپائی پر بھی کھا لیتے ہیں۔ تو ایسی باتوں میں صرف گزارہ کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ تشبہ کے معنے اس حدیث میں یہی ہیں کہ اس لکیر کو لازم پکڑ لینا۔ ورنہ ہمارے دین کی سادگی تو ایسی شئے ہے کہ جس پر دیگر اقوام نے رشک کھایا ہے اور خواہش کی ہے کہ کاش ان کے مذہب میں ہوتی اور انگریزوں نے اس کی تعریف کی ہے اور اکثر اصول ان لوگوں نے عرب سے لے کر استعمال کئے ہیں مگر اب رسم پرستی کی خاطر وہ مجبور ہیں، ترک نہیں کر سکتے۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ نمبر 388-387)

نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں فرق۔

''نبی اور عام لوگوں کی توجّہ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ نبی کی توجہ کسبی نہیں ہوتی۔ وہبی ہوتی ہے......۔ توجّہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سلبِ ذنوب بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجّہ اور مسیح علیہ السلام کی توجّہ میں یہ فرق ہے کہ مسیح کی توجّہ سے تو سلبِ اَمراض ہوتا تھا۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجّہ سے سلبِ ذُنوب ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے آپؐ کی قوت قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی''۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 280۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

فرمودات
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت امام کی وابستگی سے حاصل ہوگی

ہمارا یہ ایمان ہے کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ خود بناتا ہے اور اس کے انتخاب میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ جسے خدا یہ کرتہ پہنائے گا کوئی نہیں جو اس کرتے کو اس سے اتار سکے یا چھین سکے۔ وہ اپنے ایک کمزور بندے کو چنتا ہے جسے لوگ بعض اوقات حقیر بھی سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کو چن کر اس پر اپنی عظمت اور جلال کا ایک ایسا جلوہ فرماتا ہے کہ اس کا وجود دنیا سے غائب ہو کر خدا تعالیٰ کی قدرتوں میں چھپ جاتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیتا ہے اور اپنی تائید و نصرت ہر حال میں اس کے شامل حال رکھتا ہے اور اس کے دل میں اپنی جماعت کا درد اس طرح پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ اس درد کو اپنے درد سے زیادہ محسوس کرنے لگتا ہے اور یوں جماعت کا ہر فرد یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا درد رکھنے والا، اس کے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا اس کا ہمدرد ایک وجود موجود ہے۔

اس زمانہ میں جماعت خدا تعالیٰ کی نظر میں بلوغت کے مقام کو پہنچ چکی ہے اور اب کوئی دشمن آنکھ، کوئی دشمن دل، کوئی دشمن کوشش اس جماعت کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ خلافت احمدیہ انشاء اللہ اس شان کے ساتھ نشوونما پاتی رہے گی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ سے وعدے فرمائے تھے۔

اس موقع پر میرا پیغام آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ دعاؤں پر بہت زور دے اور اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھے اور یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھے کہ اس کی ساری ترقیات اور کامیابیوں کا راز خلافت سے وابستگی میں ہی ہے۔ وہی شخص سلسلہ کا مفید وجود بن سکتا ہے جو اپنے آپ کو امام سے وابستہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے تو خواہ دنیا بھر کے علوم جانتا ہو اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ جب تک آپ کی عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت رہیں گی اور آپ اپنے امام کے پیچھے پیچھے اس کے اشاروں پر چلتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آپ کو حاصل رہے گی۔

خلافت کے استحکام کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہیں اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی اور اس کی برکات سے فیضیاب ہونے کی تلقین کرتے رہیں اور سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کی تعمیل میں برکات خلافت کے تذکرے اپنی محفلوں میں کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر فضل فرمائے اور آپ کے اخلاص اور وفا میں مزید اضافہ کرے اور ہمیشہ اپنے فضلوں سے حصہ وافر عطا فرماتا رہے۔ آمین اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

(روزنامہ الفضل 30 مئی 2003ء)

نصرت الٰہی کیسے حاصل ہوسکتی ہے

(حضرت مصلح موعودؓ کا ایک بصیرت افروز ارشاد)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ گُر بتایا ہے کہ مدد کس طریق سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ فرمایا وہ ذرائع یہ ہیں کہ

- ایک تو دین کے راستہ میں جو مشکلات اور مصائب پیش آئیں اور جو قربانیاں تمہیں کرنی پڑیں ان سے گھبرایا نہ کرو۔
- دوسرے ان امور سے جن سے اللہ تعالیٰ تم کو روکتا ہے رکے رہو۔
- تیسرے وہ قربانیاں جو قرب الٰہی کے حصول کے لئے ضروری ہیں ان کو ترک نہ کرو۔
- چوتھے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کے بہترین نتائج پیدا کرے اور ان کو قبول فرماتے ہوئے تمہیں غلبہ بخشے۔
- پانچویں غرباء سے ہمدردی اور شفقت کا سلوک کرو تا مخلوق خدا کو آرام پہنچانے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی تم سے خوش ہو۔
- چھٹے خدا تعالیٰ سے اپنے قصوروں کی معافی طلب کرتے رہو۔
- ساتویں انبیاء پر درود بھیجا کرو کیونکہ ان کے ذریعے سے ہی تم کو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی توفیق ملی ہے۔
- آٹھویں خدا تعالیٰ کے دین پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے کی کوشش کیا کرو۔
- نویں عبادت پر مضبوطی سے قائم رہو۔

یہ سب امور خدا تعالیٰ نے کامیابی کے حصول کے بیان فرمائے ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہو اس کے لئے ان نو باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ بندے کا صرف اپنے منہ سے خدا تعالیٰ کو یہ کہنا کہ الٰہی میری مدد کر کوئی معنے نہیں رکھتا۔ مدد حاصل کرنے کے لئے پہلے ان ذرائع پر عمل کرنا ضروری ہے۔

- جو شخص گھبرا کر مایوس ہوجاتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی مدد کے لئے آسمان سے نازل ہوں گے وہ اس کی مدد حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص خدا تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ساتھ ہی امید رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس پر نازل ہوں گے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص قربانیوں سے ہچکچاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص دعا نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ طور پر گڑگڑاتا نہیں اور اس کے باوجود اس کی معجزانہ تائید کا امیدوار رہتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص دین کے معاملہ میں غیرت سے کام نہیں لیتا اور اس کی ترقی میں ممد نہیں ہوتا وہ دشمنوں کے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص غرباء اور مساکین پر شفقت نہیں کرتا اور ان کی مشکلات کو دور کرنے میں ہاتھ نہیں بٹاتا وہ اپنی مشکلات کے وقت خدا تعالیٰ کی تائید حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر درود نہیں بھیجتا ان کے لئے دعائیں نہیں کرتا اور ان کے احسانات کے شکریہ کا احساس اپنے دل میں نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- جو شخص عبادت اور خدمت دین کے لئے اپنی ساری عمر وقف نہیں کرتا وہ قرب الٰہی کے اعلیٰ مدارج پانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔
- پھر باوجود ان سب باتوں پر عمل کرنے کے جو شخص یہ محسوس نہیں کرتا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا اور اپنے عمل پر اتراتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

لوگ منہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں' لیکن یہ نہیں جانتے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے کے ساتھ کن کن باتوں کی ضرورت ہے۔ وہ ڈاکخانہ میں روپے منی آرڈر کرانے کے لئے جاتے ہیں تو منی آرڈر فارم ساتھ لے کر جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب تک منی آرڈر فارم پُر نہیں کیا جائے گا روپیہ پوسٹ نہیں ہوسکتا یا وہ ڈاکخانہ میں خط ڈالنے جاتے ہیں تو اس پر ٹکٹ لگاتے ہیں ورنہ وہ بیرنگ کر دیا جاتا ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے کے وقت وہ فارم پُر کرتے ہیں جو داخلہ کیلئے محکمہ تعلیم کی طرف سے مقرّر رہوتا ہے۔ امتحان کیلئے یونیورسٹی کا فارم پُر کرتے ہیں اور اس میں ذرا سی غلطی ہونے سے بھی ان کا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے اور وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں کام خراب نہ ہوجائے مگر خدا تعالیٰ سے بغیر کوئی فارم پُر کرنے کے اور بغیر کسی شرط پر عمل کرنے کے یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ حضور اپنے ملائکہ کی فوج بھیج کر ہماری مدد کیجئے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ یہاں بھی ایک فارم کی ضرورت ہے جب تک وہ فارم پُر کرکے اس پر دستخط نہ کئے جائیں اس وقت تک خدا تعالیٰ کی نصرت شامل حال نہیں ہوسکتی اور وہ صبر اور صلوٰۃ کا فارم ہے جب تک صبر اور صلوٰۃ کے فارم پر دستخط نہ کرو گے تب تک خدا تعالیٰ کی مدد تمہیں حاصل نہیں ہوسکے گی۔

آنحضور ﷺ کی خداداد حکمت وفراست

(محمود احمد انیس مربی سلسلہ)

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ. وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا.

(البقرۃ۔ آیت نمبر 270)

یعنی وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جو بھی حکمت دیا جائے وہ خیر کثیر دیا گیا۔

انبیاء دنیا کے معلم ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں حکمت کے خزانوں سے بطورِ خاص حصہ عطا فرماتا ہے۔اور انبیاء میں سے بھی کمال شان کے ساتھ یہ ''خیر کثیر'' ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کی گئی۔ چنانچہ آپ کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بڑے ذہین اور نہایت پُرحکمت وجود تھے۔آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی فہم وفراست عطا ہوئی تھی۔آپ کی انفرادی زندگی بھی پرحکمت تھی اور اجتماعی اور معاشرتی زندگی بھی پرحکمت تھی۔نبوت کے خداداد منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ کو مختلف اور متنوع حالات سے گزرنا پڑا۔مظالم کا زمانہ بھی نہایت دانائی اور حکمت اور صبر واستقامت کے ساتھ بسر کیا اور فاتح بنے تب بھی کسی بے جا جوش یا ظالمانہ انتقام کی بجائے نہایت دانشمندی کے ساتھ پرحکمت فیصلے فرمائے۔آپ نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔یہ ہجرت بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اشاروں پر اور اللہ تعالیٰ کی تائید سے کی گئی مگر اس نہایت اہم مہم کے لئے بھی سفر کے ساتھی کا انتخاب، وقت کا انتخاب اور راستے کا انتخاب نیز مکہ میں اپنا جانشین مقرر فرمانا غرضیکہ ہجرت کے بارہ میں آپ کی ہر حکمتِ عملی آپ کی غیر معمولی ذہانت اور خداداد فراست کی عکاس ہے۔آپ کو دفاع کی خاطر جنگیں بھی لڑنا پڑیں۔ان جنگوں میں آپ کا میدانِ جنگ کا چناؤ، مخالف لشکر کے حالات سے باخبر رہنا، حفاظتی تدابیر اختیار کرنا، مسلمانوں کی عددی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود ان کے حوصلے بلند رکھنا اور دشمن کو ذلت اور نامرادی کے ساتھ واپس لوٹنے پر مجبور کرنا نیز ان جنگوں میں بے جا کُشت وخون سے پرہیز اور کم سے کم جانی نقصان ہونا آپ کی حُسنِ تدبیر، بہترین منصوبہ بندی اور نہایت کامیاب جنگی حکمتِ عملی کی بیّن دلیل ہے۔آپ سب سے زیادہ صاحبِ معرفت اور سب سے زیادہ صاحبِ بصیرت تھے۔آپ کا اندازِ نصیحت اور طریقِ تبلیغ بھی نہایت مؤثر اور پرحکمت ہوتا تھا۔اسی طرح آپ کو معاملات کو نہایت احسن رنگ میں سلجھانے کی بھی اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیت عطا فرمائی تھی اور یہ سب باتیں کل عالم اور تمام جہانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

(1)

تعمیرِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود رکھنے کا واقعہ بڑا مشہور ہے جو آپ کی خداداد ذہانت وفراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اور وہ واقعہ یوں ہے کہ جب قریش کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے حجرِ اسود کی جگہ پر پہنچے تو قبائلِ قریش کے اندر اس بات پر سخت جھگڑا ہوا کہ کون قبیلہ اسے اس کی جگہ پر رکھے۔ہر قبیلہ اس عزت کو اپنے لئے چاہتا تھا۔حتیٰ کہ لوگ آپس میں لڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔اور بعض نے تو زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق ایک خون سے بھرے ہوئے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسمیں کھائیں کہ لڑ کر مر جائیں گے مگر اس عزت کو اپنے قبیلہ سے باہر نہ جانے دیں گے۔اس جھگڑے کی وجہ سے تعمیر کا کام کئی دن تک بند رہا۔آخر ابوامیہ بن مغیرہ نے تجویز پیش کی کہ جو شخص سب سے پہلے حرم کے اندر آتا دکھائی دے وہ اس بات میں حکم ہو کر فیصلہ کرے کہ اس موقعہ پر کیا کرنا چاہئے۔اللہ کی قدرت لوگوں کی آنکھیں جو اٹھیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔آپ کو دیکھ کر سب پکار اٹھے۔''امین امین''۔اور سب نے باتفاق کہا کہ ''ہم اس کے فیصلہ پر راضی ہیں''۔جب آپ قریب آئے تو انہوں نے آپ سے حقیقتِ امر بیان کی اور فیصلہ چاہا۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ایسا فیصلہ فرمایا کہ سب سردارانِ قریش دنگ رہ گئے اور آفرین پکار اٹھے۔آپ نے اپنی چادر لی اور اس پر حجرِ اسود کو رکھ دیا۔اور تمام قبائل قریش کے رؤساء کو اس چادر کے کونے پکڑوا دیئے اور چادر اٹھانے کا حکم دیا۔چنانچہ سب نے مل کر چادر کو اٹھایا اور کسی کو بھی شکایت نہ رہی۔جب حجرِ اسود کی اصلی جگہ کے محاذ میں چادر پہنچی تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اسے چادر پر سے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

(سیرت خاتم النبیین صفحہ 109۔از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

(2)

آپ کا بات سمجھانے کا انداز بھی بڑا پرحکمت تھا اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے صحابہ کی تربیت بھی ایسے رنگ میں کی کہ وہ آپ کے اشاروں کو سمجھتے تھے۔

جنگِ بدر کا واقعہ ہے کہ جب مسلمان وادیٔ صفراء کے ایک پہلو سے گزرتے ہوئے زفران میں پہنچے جو بدر سے صرف ایک منزل ورے ہے تو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ قافلہ کی حفاظت کے لئے قریش کا ایک بڑا جرار لشکر مکہ سے آرہا ہے۔آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے انہیں اس خبر سے اطلاع دی اور پھر ان سے مشورہ پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ظاہری اسباب کا خیال کرتے ہوئے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ سے سامنا ہو کیونکہ لشکر کے مقابلہ کے لئے ہم ابھی پوری طرح تیار نہیں ہیں۔مگر آپ نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا۔دوسری طرف اکابر صحابہ نے یہ مشورہ سُنا تو اٹھ اٹھ کر جاں نثارانہ تقریریں کیں اور عرض کیا ہمارے جان ومال سب خدا کے ہیں۔ہم ہر میدان میں ہر خدمت کیلئے حاضر ہیں، چنانچہ مقداد بن اسود نے کہا یارسول اللہ! ہم موسیٰ کے اصحاب کی طرح نہیں ہیں کہ آپ کو یہ جواب دیں کہ جا تُو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ جہاں بھی چاہتے ہیں چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہو کر لڑیں گے۔آپ نے یہ تقریر سنی تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتمانے لگ گیا۔مگر اس موقعہ پر بھی آپ انصار کے جواب کے منتظر تھے اور چاہتے تھے کہ وہ بھی کچھ

بولیں۔ کیونکہ آپ کو یہ خیال تھا کہ شاید انصار یہ سمجھتے ہوں کہ بیعت عقبہ کے ماتحت ہمارا فرض صرف اس قدر ہے کہ اگر عین مدینہ پر کوئی حملہ ہو تو اس کا دفاع کریں ۔چنانچہ باوجود اس قسم کی جانثارانہ تقریروں کے آپ یہی فرماتے گئے کہ اچھا پھر مجھے مشورہ دو کہ کیا کیا جاوے۔ سعد بن معاذ رئیس اوس نے آپ کا منشاء سمجھا اور انصار کی طرف سے عرض کیا۔ ”یارسول اللہ! شاید آپ ہماری رائے پوچھتے ہیں ۔خدا کی قسم جب ہم آپ کو سچا سمجھ کر ایمان لے آئے ہیں اور ہم نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دیا ہے تو پھر آپ جہاں چاہیں چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا اور آپ انشاءاللہ ہم کو لڑائی میں صابر پائیں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی۔“ آپ نے یہ تقریر سنی تو بہت خوش ہوئے۔

اس مشورہ کے بعد آنحضرت ﷺ تیزی کے ساتھ بدر کی طرف بڑھنے شروع ہوئے۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ کفار مکہ کے لشکر میں رؤسائے قریش میں سے بڑے بڑے سبھی موجود ہیں تو آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لو مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے نکال کر ڈال دیئے ہیں ۔ یہ نہایت دانشمندانہ اور حکیمانہ الفاظ تھے جو آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ طور پر نکلے۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ قریش کے اتنے نامور رؤساء کا ذکر آنے سے کمزور طبیعت مسلمان بے دل ہوتے ان الفاظ نے ان کی قوت متخیلہ کو اس طرف مائل کر دیا کہ گویا ان سردارانِ قریش کو تو خدا نے مسلمانوں کا شکار بننے کے لئے بھیجا ہے۔

(سیرت خاتم النبیین ۔تلخیص از صفحہ354 تا355)

(3)

آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بھی عطا فرمائی تھی کہ آپ بہت جلد سائل کے مسئلہ کو سمجھ جاتے تھے۔اور حاجتمند لوگ بھی آپ کے پاس اسی لئے آتے تھے کہ آپ ان کی حاجت روائی فرماتے اور ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ اصحاب صفہ میں سے تھے جو حضور ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے لئے ہر وقت مسجد نبوی میں حاضر رہتے ۔آپ سے مروی ایک لمبی حدیث ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ ایک دفعہ میں راستہ میں بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ میں نے ان سے ایک آیت کا مطلب پوچھا، مقصد یہ تھا کہ آپ مجھے کھلا پلا کر سیر کریں گے لیکن آپ وہاں سے آیت کا مطلب بتا کر گزر گئے ۔ پھر حضرت عمر وہاں سے گزرے تو ان سے بھی آیت کا مطلب پوچھا اور مقصد یہی تھا کہ آپ کھلائیں پلائیں گے اور مجھے سیر کریں گے مگر آپ بھی وہاں سے آیت کے معانی بتا کر گزر گئے ۔اس کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے ۔ پھر آپ مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور دودھ پلایا۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی واصحابه و تخلیتهم من الدنیا)

(4)

آپ کا معاملات کو سلجھانے کا انداز بھی بہت حکیمانہ تھا۔اس بارہ میں غزوہ حنین کے اموالِ غنیمت کی تقسیم بطور مثال پیش ہے۔روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ حنین کے موقعہ پر مکہ کے بہت سے نومسلم وغیرہ اسلامی لشکر میں شامل ہوئے تھے۔حضور ﷺ نے اموال غنیمت ان لوگوں میں تقسیم فرما دیئے یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو سو سو اونٹ بھی عطا فرمائے مگر انصار کو اس میں سے کچھ نہ دیا۔اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے قریش کو تو اموال عطا کئے ہیں اور ہمیں نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ اسلام کے دفاع میں ہماری تلواروں سے کافروں کا خون ٹپک رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو آپ کو افسوس ہوا۔ آپ نے انصار کو ایک خیمے میں بلایا جو چمڑے کا بنا ہوا تھا جہاں ان کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ جب وہ سارے آگئے تو آپ نے فرمایا ”تمہاری جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے کیا وہ صحیح ہے؟“۔اس پر انصار نے جواباً عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے سرداروں میں سے تو کسی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ہاں ہمارے بعض ناسمجھ نوجوان ہیں جنہوں نے وہ باتیں کی ہیں جو رسول اللہ کے لئے تکلیف کا موجب بنی ہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے ان لوگوں کو مال دیا ہے جن کا زمانہ کفر بہت نزدیک تھا تاکہ ان کے دل اسلام پر مضبوط ہو جائیں۔ اے گروہِ انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت دی؟ کیا تم پراگندہ نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ الفت کی لڑی میں پرو دیا؟ کیا تم تنگدست نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ غنی کر دیا؟ جب آپ یہ فرما رہے تھے تو انصار ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بے حد احسان ہے۔ آپ نے فرمایا: اے گروہِ انصار! جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ ہم پر یہ سب باتیں اللہ اور اس کے رسول کا فضل واحسان ہی تو ہے...... ۔پھر آپ نے فرمایا: **کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر جا رہے ہوں اور تم اللہ کے نبی کو اپنے گھروں میں لے کر جاؤ۔** اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ دوسری کسی گھاٹی یا وادی میں چلیں تو میں انصار والی گھاٹی میں چلوں گا۔ انصار اس کپڑے کی طرح ہیں یعنی استر جو ہمیشہ جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے اور دوسرے لوگ اوپر کے کپڑے کی طرح ہیں یعنی ابرہ۔ انصار نے عرض کی یارسول اللہ! ہم سرتاپا راضی ہیں کہ تقسیم اور حصہ کے لحاظ سے اللہ کا رسول ہمیں ملا ہے۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوة الطائف۔ترجمہ: سیرت خاتم النبیین۔صفحہ335 تا336۔از ہادی علی چوہدری)

اس واقعہ میں آپ کا کچھ کو مال عطا فرمانا اور کچھ کو عطا نہ فرمانا بھی پر حکمت فعل تھا۔ آپ نے جنہیں اموال عطا کئے وہ نومسلم تھے اور آپ ان کی تالیفِ قلب چاہتے تھے جبکہ وہ جنہیں اموال ملنے کی توقع تھی لیکن انہیں عطا نہ فرمائے اور پھر انہوں نے اموال نہ ملنے پر آپ سے شکوہ بھی کیا۔ تو اس موقعہ پر آپ نے انہیں ایسے پرحکمت طریقے سے سمجھایا کہ ان کے دل جیت لئے اور انہیں اموالِ غنیمت بالکل حقیر دکھائی دینے لگے۔ دراصل حضرت رسول اللہ ﷺ کی محبت اور رضا کا حصول ہی تو صحابہ کی دلی تمنا تھی جب آپ ﷺ ان کے ہو گئے تو گویا انہیں سب کچھ مل گیا۔

(5)

حضور ﷺ مذہب کے معاملہ میں جبر کے خلاف تھے۔اور معاملات کا فیصلہ فرماتے وقت غیر مسلموں کو اختیار دیتے کہ وہ چاہیں تو اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کروالیں۔ آپ کے اس نہایت دانشمندانہ اقدام سے غیر مسلم بھی آپ کے خلاف

شکایت نہ کر سکتے تھے۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر مدینہ میں آباد یہود قبیلہ بنو قریظہ نے بدعہدی اور بغاوت کی۔حضور ﷺ نے انہیں اپنے لئے حکم کے انتخاب کا اختیار دیا۔اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حکم ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت سعد بن معاذ رئیس اوس کو اپنا ثالث مقرر کروایا۔ چنانچہ انہیں حضرت سعد کے فیصلہ کے مطابق سزائیں دی گئیں۔

(سیرت خاتم النبیین۔ صفحہ601)

اسی طرح آپ کے سامنے ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں اُن کے خلاف زنا کا الزام ثابت کیا گیا تھا۔آنحضرت ﷺ نے یہودی علماء سے پوچھا کہ اس بارہ میں موسوی شریعت کیا فتویٰ دیتی ہے۔انہوں نے دھوکے اور افتراء کے طریق پر یہ جواب دیا کہ جو شخص زنا کرے اسے ہمارے ہاں منہ کالا کر کے اور سواری پر الٹا سوار کر کے پھرایا جاتا ہے۔اس وقت عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے پاس ہی بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔تورات میں زنا کی سزا سنگسار کرنا لکھی ہے۔چنانچہ تورات منگوائی گئی۔اور گو یہودیوں نے بہت پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔حتیٰ کہ بہانے بہانے سے اس آیت پر ہاتھ رکھ کر اسے چھپانا بھی چاہا۔مگر عبداللہ بن سلام نے یہ صاف طور پر دکھا دیا کہ از روئے تورات زنا کی سزا رجم ہے اور ان کو شرمندہ ہونا پڑا اور چونکہ یہ معاہدہ تھا کہ ہر قوم کے مقدمات اس کے اپنے قانون کے مطابق فیصلہ کئے جائیں گے اور اسلام میں تو ابھی تک زنا وغیرہ کی حدود کے متعلق احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ یہودی شریعت کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کر دیا جاوے۔

(سیرت خاتم النبیین۔ صفحہ539)

(6)

آپ نے غریبوں کو اپنے قریب کیا، کمزوروں کو حقوق دلائے۔معاشرے میں معمولی سمجھے جانے والوں کی عزتِ نفس قائم فرمائی اور غلاموں کو آزاد کرنے کی تعلیم دی یہاں تک کہ ان میں سے بعض مختلف شعبوں میں مسلمانوں کے لیڈر بنے۔اس طرح آپ نے انسانی مساوات کی ایسی پر حکمت اور جامع تعلیم دی کہ معاشرے کا کمزور اور حقیر سمجھا جانے والا طبقہ آپ کا عاشق اور گرویدہ بن گیا۔

حضرت زید آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔انہوں نے اپنے والدین کے پاس جانے کی بجائے آپ کی قربت اور صحبت سے فیض اٹھانے کو ترجیح دی۔ایک صحابی نے بدلہ لینے کا بہانہ بنا کر آپ سے بدن کا کپڑا اٹھوایا مگر جلد ہی آگے بڑھ کر آپ کے بدن پر بوسہ لے لیا۔ایک اور صحابی نے آپ کو تحفہ میں ملی ہوئی ایک خوبصورت چادر آپ سے مانگ لی اور اس کو اپنے کفن کے لئے محفوظ کر لیا۔حضرت زاہر جو معاشرے کے رویوں سے دل برداشتہ رہتے تھے ایک دفعہ آپ نے چپکے سے ان کے پیچھے سے آکر آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو وہ فوراً پہچان گئے کہ یہ غریب نوازی حضور ﷺ ہی کر سکتے ہیں۔

(7)

آپ کے عفو میں بھی حکمت تھی۔اہل طائف کی طرف سے شدید دکھ اور تکلیف پہنچنے کے باوجود ان کی ہدایت کی لئے دعائیں کرنا اور فتح مکہ کے موقعہ پر لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْم (یعنی تم پر آج کوئی گرفت نہیں) کہہ کر آپ کا شدید ترین دشمنوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرمانا آپ کے نہایت حکیمانہ عمل ہیں۔اس مبارک طرزِ عمل سے آپ نے دشمنوں کے دل جیت لئے اور وہ ہلاک ہونے کی بجائے اپنی دین و دنیا سنوار گئے۔

(8)

آپ کے انتقام میں بھی حکمت تھی۔حضرت بلالؓ مکہ میں ایک حبشی غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان کا مالک انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا کرتا تھا اور سخت ایذاء دیا کرتا تھا۔جب مکہ فتح ہوا تو ان کے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پر حکمت طریق اختیار فرمایا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ آج جو بلال کے جھنڈے کے نیچے آجائے گا اسے بھی پناہ دی جائے گی۔اس واقعہ کا نہایت پیارا بیان حضرت مصلح موعودؓ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''اس واقعہ میں جو سب سے زیادہ عظیم الشان بات ہے وہ بلالؓ کا جھنڈا ہے ...... جب اسلامی لشکر دس ہزار کی تعداد میں داخل ہونے کے لئے آیا۔بلالؓ کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ آج اُن بوٹوں کا بدلہ لیا جائے گا۔آج ان ماروں کا معاوضہ مجھے ملے گا۔جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ معاف، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا وہ معاف، جس نے ہتھیار پھینک دیئے وہ معاف، جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے وہ معاف۔تو بلالؓ کے دل میں خیال آتا ہوگا کہ یہ تو اپنے سارے بھائیوں کو معاف کر رہے ہیں اور اچھا کر رہے ہیں لیکن میرا بدلہ تو رہ گیا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آج صرف ایک شخص ہے جس کو میرے معاف کرنے سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور وہ بلالؓ ہے کہ جن کو میں معاف کر رہا ہوں وہ اس کے بھائی نہیں۔جو اُس کو دکھ دیا گیا ہے وہ اَور کسی کو نہیں دیا گیا۔آپ نے فرمایا میں اس کا بدلہ لوں گا اور اِس طرح لوں گا کہ میری نبوت کی بھی شان باقی رہے اور بلالؓ کا دل بھی خوش ہو جائے۔آپ نے فرمایا بلال کا جھنڈا کھڑا کرو اور ان مکہ کے سرداروں کو جو جوتیاں لے کے اُس کے سینہ پر ناچا کرتے تھے۔جو اُس کے پاؤں میں رسّی ڈال کر گھسیٹا کرتے تھے، جو اُسے تپتی ریتوں پر لٹایا کرتے تھے کہہ دو کہ اگر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی جان بچانی ہے تو بلال کے جھنڈے کے نیچے آجاؤ۔میں سمجھتا ہوں جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، جب سے انسان کو طاقت حاصل ہوئی ہے اور جب سے کوئی انسان دوسرے انسان سے اپنے خون کا بدلہ لینے پر تیار ہوا ہے اور اس کو طاقت ملی ہے اِس قسم کا عظیم الشان بدلہ کسی انسان نے نہیں لیا۔جب بلال کا جھنڈا خانہ کعبہ کے سامنے میدان میں گاڑا گیا ہوگا، جب عرب کے وہ رؤساء جو اُس کو پیروں سے مسلا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے بولتا ہے کہ نہیں کہ محمد رسول اللہ جھوٹا ہے جب وہ دوڑ دوڑ کر اور اپنے بیوی بچوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اور لا لا کے بلال کے جھنڈے کے نیچے لاتے ہوں گے کہ ہماری جان بچ جائے تو اس وقت بلال کا دل اور اس کی جان کس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہو رہی ہوگی۔ وہ کہتا ہوگا میں نے تو خبر نہیں ان کفار سے بدلہ لینا تھا یا نہیں یا لے سکتا تھا کہ نہیں اب وہ بدلہ لیا گیا ہے کہ ہر شخص جس کی جوتیاں میرے سینہ پر پڑتی تھیں اُس کے سَر کو

میری جوتی پر جھکا دیا گیا ہے۔ یہ وہ بدلہ تھا جو یوسفؑ کے بدلہ سے بھی زیادہ شاندار تھا۔'' (سیر روحانی۔انوار العلوم جلد 24 صفحہ 270 تا 272)

(9)

تبلیغ کے لئے قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (النحل۔ آیت نمبر 126) یعنی اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے ایسی دلیل کے ساتھ بحث کر جو بہترین ہو۔

حکمت کے ساتھ تبلیغ کے حوالہ سے بھی آپ کا اسوہ بہت مبارک اور اعلیٰ اور پیارا ہے۔ آپ تبلیغ کے مواقع پیدا کرتے اور کسی موقع کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ دشمنوں نے آپ کو ڈرایا، دھمکایا اور مختلف قسم کے لالچ دیئے مگر آپ نے تبلیغ کے معاملہ میں نہ کبھی کوئی سمجھوتہ کیا اور نہ ہی دنیاداروں کی بڑی سے بڑی پیشکش قبول فرمائی۔ آپ تبلیغ کیلئے ایک کے بعد دوسری راہ نکال لیتے۔ مثلاً رشتہ داروں کو دعوتِ طعام دی اور تبلیغ کی۔ بڑے بڑے میلوں جیسے عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ میں جا کر تبلیغ کی۔ تبلیغی مرکز'' دارارقم'' قائم فرمایا۔ تبلیغی سفر اختیار فرمائے۔ طائف والوں نے غنڈوں کو پیچھے لگا دیا، آپ زخمی تھے مگر جہاں تھوڑی دیر آرام کے لئے رُکے وہاں بھی تعارف کے دوران ایک شخص سے نینوہ کا ذکر آنے پر تبلیغ کی راہ نکال لی۔ آپ نے بادشاہوں کو خطوط بھی لکھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تبلیغ آپ کا عملی نمونہ تھا۔

(10)

آپ انبیاء کے سردار تھے۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ اور روح کی غذا نماز، روزہ اور ہر قسم کی عبادات کی ادائیگی تھی۔ آپ کے بارہ میں احادیث سے ثابت ہے کہ آپ رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی اتنی دیر عبادت میں کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ! آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(بخاری کتاب التفسیر۔تفسیر سورۃ الفتح۔باب قولہ لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک)

آپ چاہتے تھے کہ آپ کی امت بھی اپنے خالق کی ہر قسم کی عبادت کا حق ادا کرے لیکن آپ نے اپنی امت کو افراط وتفریط سے دور رکھا اور میانہ روی کی تعلیم دی۔ اپنی امت کے کمزوروں کا خیال رکھا اور انہیں مشقت میں پڑنے سے بچایا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ گھر آئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک رسّی لٹکی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ رسی کس لئے لٹکائی ہے؟

اس نے کہا یارسول اللہ! جب میں عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہوں تو رسی پکڑ لیتی ہوں تاکہ مجھے نیند نہ آئے۔

آپ نے فرمایا خدا کو تمہارے نفس کو تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں جب تک تمہارا نفس برداشت کرتا ہے عبادت کرو اور جب نہ کرے نہ کرو۔

(بخاری کتاب الایمان۔ باب احبُّ الدِّین الی اللہِ اَدْوَمُهُ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور ساری رات تلاوت کرتے ہو۔ میں نے کہا یہ بات سچ ہے یارسول اللہ۔ لیکن اس بھلائی کے علاوہ اور میرا کوئی مقصود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ تمہارے مہمان کا بھی حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔ پھر فرمایا کہ داؤد نبی اللہ کی طرح روزے رکھو کہ وہ بڑے عبادت گزار تھے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! داؤد کا روزہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک دن ناغہ دے کر روزہ رکھتے تھے۔ مزید فرمایا کہ ایک مہینہ میں قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے کہا اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا اچھا تو سات دن میں ختم کیا کرو۔ اور اس میں اضافہ نہ کرو۔ تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ تمہارے مہمان کا بھی حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔

(بخاری کتاب الصوم۔باب حق الجسم فی الصوم)

حضرت خالد بن زید الجُهنی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت مشکل میں پڑ جائے گی تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک کیا کریں اور اسی طرح میں نماز عشاء کو رات کے تیسرے پہر تک مؤخر کر دیتا۔

(سنن الترمذی۔باب ماجاء فی السواک)

اسی طرح جہاد کے معاملہ میں اگر دیکھا جائے تو آپ بڑی شجاعت کے ساتھ میدانِ جنگ میں سب سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن بعض مواقع پر خود شریک نہیں ہوئے بلکہ کسی اور کو امیر العسکر بنا کر بھیجا اور پھر اس کی بھی حکمت بیان فرمائی۔ حدیث میں آتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ہر دستہ فوج کے ساتھ جاتا اور میری تو خواہش ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

(بخاری۔کتاب الایمان، باب الجہاد من الایمان)

پس آپ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ دونوں میں حکمتوں کے لازوال خزانے ہیں۔ ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہم اس پیارے نبی ﷺ کے ماننے والے اور آپ کی طرف منسوب ہونے والے ہیں جن سے حکمت سیکھنے کے عمل کو قرآن شریف نے **اللہ تعالیٰ کا احسان** قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (آل عمران۔آیت نمبر 165)

یعنی یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

پس بلاشبہ یہ مقام شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عبد شکور بننے کی توفیق دے اور اپنے فضل واحسان سے ہمیں علم وحکمت عطا فرمائے۔ آمین

ذرّیّتِ دجّال مصر میں

(عبدالرحمن شاکر) قسط دوم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں دجّال کے ظہور کا ذکر بھی متعدد احادیث میں ملتا ہے۔ یہ دراصل ایسا گروہ ہے جس نے دجل کے ذریعہ ایک دنیا کو مغلوب کر کے اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا اور انسانی ہمدردی کے نام پر دھوکہ دے کر اپنے کاروبار کو دنیا بھر میں پھیلانے کی کوشش کی۔ اور پھر اس کاروبار کی آڑ میں اپنے خودساختہ عقائد کی ترویج واشاعت کے بھی بھرپور سامان کئے اور ایک پہلو سے دنیا بھر کو مسیحیت کے زیرنگیں کرنے کے لئے ہر حربہ آزمالیا تاکہ مسیحیت کے نام پر ہی پھر اپنی مملکت کو وسیع تر کیا جائے اور دوام بخشا جائے۔ اس مضمون میں اس گروہ کے خوفناک ہتھکنڈوں کا بیان تاریخی حقائق کے تناظر میں کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا مقابلہ کتنے شاطر گروہ سے تھا جن کے دجّالی شکنجے سے آپؑ نے اسلام کو آزادی دلوائی۔ (مدیر)

سرزمین مصر میں پہلے پہل انگریزوں نے اسمٰعیل پاشا خدیو مصر (1863-79ء) کے عہد حکومت میں قدم رکھا اور پھر ایسے پاؤں جمائے کہ نکلنے کا نام نہ لیا۔ تا آنکہ جمال عبدالناصر کی قیادت میں مصریوں کی شدید جدوجہد نے انہیں 1956ء میں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس عرصہ دراز کی خونچکاں داستان کچھ یوں ہے کہ فرانس کے ایک نہایت ہی قابل اور ذہین انجینئر فرڈیننڈ ڈی لیسپ نے بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو ایک نہر کے ذریعہ ملانے کی سکیم بنائی۔ جس کا بڑا فائدہ یہ بتایا گیا کہ یورپ سے مشرق کو جانے کے لئے بہت آسان راستہ نِکل آئے گا۔ اُس وقت مشرق کو جانے کے لئے ایک ہی راستہ تھا جو براعظم افریقہ کے گرد چکر کاٹ کر طے کرنا پڑتا تھا۔ یہ راستہ بڑا طویل اور تکلیف دہ تھا۔

اس آبی رستے کا منصوبہ یوں تو بہت ہی پُرانا ہے۔ فرعون نِخو (Necho) نے یہاں ایک بہت بڑی نہر کھدوانے کا بندوبست کیا تھا اور ایک لاکھ سے اُوپر مزدور بیگار میں لگائے تھے مگر سکیم سرے نہ چڑھی۔ پھر ایران کے بادشاہ دارا گشتاسپ نے بھی نہر کا انتظام کرنا چاہا مگر رہ گیا۔ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد میں کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ماہرین کو ایک خوف یہ بھی تھا کہ بحیرہ روم کی سطح بلند ہے نہر کھدوانے سے کہیں تمام مصر زیرآب نہ آجائے۔ نپولین اعظم نے بھی اپنے زمانہ میں ایسی کوشش کی مگر وہ بھی دوسرے حالات میں اُلجھ کر رہ گیا۔

اس نہر کے کچھ فوائد بھی تھے۔ (1) مالی فوائد۔ یورپ، ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان آمدورفت کا مختصر قریبی راستہ مل گیا اور اس طرح سے مسافت بے حد کم ہوگئی۔ مال لانے اور لے جانے میں اخراجات بہت حد تک کم ہوگئے۔

(2) راس امید کے راستے میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جس سے سیّاح فائدہ اُٹھا سکتے۔ نہر سویز کے آس پاس کئی تاریخی مقامات تھے مثلاً عرب، فلسطین، لبنان، مشرقی یورپ اور جنوبی یورپ کے متعدد صحت افزا مقامات، یونان کے تاریخی مندر، مصر کے اہرام اور دیگر عجائبات اور بحیرۂ روم کے جزائر، یہ بہت بڑے فوائد تھے۔

لیکن اس کے بالمقابل کچھ باتیں بڑی تاریک بھی تھیں۔ مثلاً اس نہر کے ذریعہ اہل مصر کے لئے ایک ایسا آہنی جال تیار کر دیا گیا جو بڑی مشکل سے توڑا گیا۔ اس نہر کی وجہ سے انگریزوں نے عرب کے مختلف ممالک میں قدم جمائے تاکہ نہر کی حفاظت کے لئے وہ اپنے اڈے قائم کرسکیں۔ چنانچہ عدن اور اس کے اردگرد کے علاقہ پر اس غرض سے قبضہ کیا گیا۔ بعد میں اس میں تیل کی کشش بھی پیدا ہوگئی بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ عرب کے پہلو میں اسرائیل کی حکومت بھی اسی واسطے قائم کی گئی ہے تاکہ وہ عربوں کے لئے خارِ پہلو ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ نہر سویز پر قبضہ کے دوام کا موجب بھی بنے۔

نہر سویز نکالنے کا جب منصوبہ بنا تو اُس وقت کے برطانوی وزیراعظم لارڈ پامرسٹن نے سعید پاشا خدیو مصر پر اپنے سفیر مقیم قسطنطنیہ کے ذریعہ زور ڈالا کہ یہ نہر ہرگز نہیں بننی چاہئے۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ ڈی لیسپ کو نہر کھودنے کی اجازت نہ ملے اور ابتداء میں وہ اس بات میں کامیاب بھی ہوگئے مگر ڈی لیسپ بھی بڑے پکے ارادہ کا آدمی تھا، اس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اور سعید پاشا پُرانے دوست تھے۔ آخرکار 1860ء میں سعید پاشا نے اُسے نہر کھودنے کا فرمان دیدیا۔

ابتدائی کام شروع ہوا تو انگریزوں نے پھر روڑے اٹکانے شروع کئے۔ اس وجہ سے 1864ء میں کام بند ہوگیا۔ مگر ڈی لیسپ نے پھر نئے عزم کے ساتھ دوبارہ کام شروع کر دیا اور آخرکار 15 رنومبر 1869ء کو اس نہر کا افتتاح شہنشاہِ فرانس نپولین سوم کی ملکہ نے کیا۔ ان کا جہاز جس پر یورپ کی بعض مایۂ ناز ہستیاں سوار تھیں۔ رات کو Bitter Laces میں لنگر انداز رہا اور اس تقریب پر بہت خوشی منائی گئی۔ یہ نہر 101 میل لمبی ہے۔ اس کے شمالی سرے پر پورٹ سعید ہے اور جنوبی سرے پر سویز کا گاؤں ہے۔

انگریز نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اُن کو افسوس ہوا کہ اس عظیم الشان آبی گزرگاہ میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ خطرہ بھی محسوس ہوا کہ ان کے مشرقی مقبوضات غیرمحفوظ ہوگئے ہیں۔ چنانچہ وہی انگریز جو پہلے اس نہر کے کھودے جانے کے سخت مخالف تھے اب ہرممکن حیلے بہانے سے کوشش کرنے لگے کہ اس کمپنی کے حصص خریدیں۔ چنانچہ انہوں نے اُس وقت تک چین نہ لیا جب تک ایک لاکھ چہتّر ہزار چھ سو دو حصص انتالیس لاکھ چھہتر ہزار پانچ سو بیاسی پونڈ کے عوض خرید نہ لئے۔ یہ کارنامہ برطانیہ کے یہودی الاصل وزیراعظم بنجمن ڈسرائیلی نے سرانجام دیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد 23 صفحہ 159 پر لکھا ہے:

''نئے وزیراعظم کی شاہی اور خارجہ پالیسی بالکل ملکہ معظّمہ کی مرضی کے مطابق تھی جس نے سویز کینال کے حصص حاصل ہونے پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔''

وزیراعظم کے اس کارنامہ پر ملکہ وکٹوریہ کو خوش ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ اس کی سلطنت کے استحکام کے لئے ایک نہایت مضبوط قدم گاہ میسر آگئی تھی۔ نیز چونکہ فرانس کے بعد سب سے بڑے حصہ دار اب انگریز تھے اس لئے اس سے ان کی کلاہِ افتخار میں ایک اور طرۂ امتیاز کا اضافہ ہوگیا تھا۔ جغرافیائی طور پر بھی ان کو تمام دوسری اقوام پر ایک گونہ تفوق حاصل ہوگیا۔ کیونکہ دنیا کے 80 فیصدی جہاز برطانیہ کی ملکیت میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ عظیم اول ودوم میں جرمنی کے بحری بیڑے کو نہر سویز کی طرف آنے کی قطعاً جرأت نہ ہوسکی۔

سویز کینال کمپنی کے مرکزی دفاتر پیرس اور لنڈن میں تھے۔ جس قدر جہاز نہر

میں سے گزرتے تھے وہ یا تو نقد رقم ادا کرتے یا چیک دے جاتے جو پیرس اور لنڈن کے بنکوں سے بھی کیش ہوتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام روپیہ بجائے مصر میں جمع ہونے کے لنڈن اور فرانس چلا جاتا۔ بعد میں حساب کتاب کرلیا جاتا جس کے نتیجہ میں ایک بہت ہی معمولی رقم مصری حکومت کو ملتی۔ کمپنی کے کُل ڈائریکٹر 32 تھے۔ 21 فرانسیسی 10 انگریز اور 1 ڈچ۔ مصر والوں کی نمائندگی کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔

نہر سویز کی اصل آمد تو اللہ ہی جانے مگر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف تو کیا گیا ہے کہ 1928ء تک جس قدر سرمایہ برطانیہ نے ابتداء میں لگایا تھا۔ وہ اسے آٹھ گنا وصول ہو چکا تھا۔ اور رأس المال محفوظ تھا۔ (ص518 جلد21)

مصر کی مالی مشکلات کی کہانی 1862ء سے شروع ہوتی ہے جب خدیو مصر نے 33 لاکھ قرض لیا۔ نہر کی تعمیر کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مصری حکومت تمام مزدور مہیا کرے گی۔ ان کے لئے کوارٹرز مہیا کرے گی۔ میٹھا پانی سپلائی کرے گی اور تنخواہ بھی دے گی۔ ان تمام اخراجات کے لئے خدیو مصر کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔ لہٰذا اس نے ابتدائی اخراجات کے لئے بعض یورپین طاقتوں سے قرض لیا۔ دوران تعمیر میں جب نہر سویز کا کام عارضی طور پر بند ہوجاتا تو ان قرض خواہوں کو خیال آتا تھا کہ کہیں ہماری رقوم ضائع ہی نہ ہوجائیں۔ مگر ان کو وعدے سے تسلی کرادی جاتی مگر آخر کب تک اس طرح کام چلتا۔ آمد تو تمام کی تمام فرانس اور برطانیہ والے لے جاتے تھے۔ مصر کے پلّے میں کیا پڑتا تھا؟ اُوپر سے قرض خواہوں نے زیادہ سختی سے قرض مع سود کی واپسی کا مطالبہ شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدیو مصر نے ان روز روز کے مطالبوں اور بڑھتے ہوئے سود سے تنگ آکر اپنے حصص برطانیہ کے ہاتھ فروخت کردیئے۔

اس وقت مصر کی مالی حالت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جنوب میں سوڈان اور ابی سنیا کے ساتھ لڑائی میں ہزارہا مخلوق خدا اور بے شمار روپیہ ضائع ہو چکا تھا اور حاصل کچھ نہ ہوا تھا بلکہ رہا سہا وقار بھی جاتا رہا۔ حاکمِ وقت آخر غریب مصری فلاّحین سے کہاں تک روپیہ بٹورتا؟ ادھر یورپین مارکیٹ سے اسے مزید قرضہ ملنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (جلد8) میں لکھا ہے اس صورتحال سے بحران پیدا ہوا اور بین الاقوامی کمیشن اسماعیل پاشا پر مسلّط کردیئے گئے جن میں سے ہر ایک اُسے زیادہ سے زیادہ یورپین تسلّط کے ماتحت لے آیا۔

یہی موقعہ تھا جب دور بین بنیا صفت انگریز نے اپنے قرضہ کے تحفظ کے لئے مصر میں اپنا پہلا مالیاتی کمیشن بھجوایا جس نے چھان بین کے بعد رپورٹ کی کہ ملک مصر کے تمام محاصل پر ہمارا قبضہ ہونا چاہئے۔ تھوڑے عرصہ بعد برطانیہ اور فرانس نے ایک اور مشترکہ مالیاتی کمیشن بھجوادیا تاکہ ان دونوں ممالک کے تمسک گیروں کی تسلی کرائی جائے۔ اس کمیشن نے سفارش کی کہ تمام ملک کے محاصل پر مشترکہ کنٹرول ہونا ضروری ہے، برطانوی نمائندہ ریونیو کا انچارج ہو اور فرانسی نمائندہ اخراجات پر کنٹرول کرے۔ پھر ایک تیسرا کمیشن مقرر ہوا جس نے خدیو مصر اسماعیل پاشا کی تمام ذاتی املاک پر کنٹرول کرلیا۔ اس طرح کی شاطرانہ چالوں سے حاکمِ مصر کو بے بس کرکے ملک کے اصل حاکم خود انگریز اور فرانسیسی بن گئے۔ اس گرفت سے تنگ آکر خدیو مصر نے اپنی فوج کو اشارہ کردیا اور بغاوت کرادی۔ جس سے تمام ''ڈبل کنٹرول'' دھرے کا دھرا رہ گیا۔ بدمست سپاہیوں نے خوب ہنگامہ کیا اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کی طبیعت صاف کردی۔ سب بھاگ کر سکندریہ میں پناہ لینے چلے گئے۔ مگر انگریز بھی بچے نہ تھے کہ اس چال کو نہ سمجھتے۔ انہوں نے ایک طرف تو فرانس کو اکسایا کہ تم اپنا بحری بیڑا اسکندریہ بھجوادو۔ ادھر ہم اپنا بیڑا لاتے ہیں۔ دوسری طرف سفیر ترکی لارڈ فرن (جو بعد میں ہندوستان کے وائسرائے بنے۔) انہوں نے سلطان ترکی پر دباؤ ڈالا کہ نائب سلطنت خدیو مصر نے یہ کیا لغو حرکت کی ہے؟ چنانچہ سلطان ترکی نے اسماعیل پاشا کو ایک کرخت تار بھجوایا جس میں اسے سابق خدیو مصر کہہ کر مخاطب کیا گیا۔

اس کے بعد پھر وہی ڈبل کنٹرول جاری ہوگیا۔ جس کے سر ڈیویلین ریویلین بیرنگ (بعد کے لارڈ کرومر) نگران مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن پھر امرائے مصر نے ایک فوجی کرنل احمد اعرابی کو آگے کرکے ایک نئے ہنگامے کی طرح ڈال دی۔ یہ شخص اگرچہ کسی خاص قابلیت کا مالک نہ تھا مگر جذبۂ حبّ الوطنی سے ضرور معمور تھا۔ اس نے نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں چند ایک جذباتی تقاریر کیں۔ جس سے عام فوجیوں کا جذبۂ حبّ الوطنی بھڑک اُٹھا اور احمد اعرابی کی زیر قیادت ملک میں شورش ہوگئی۔ اس شورش میں کرنل فہمی اور کرنل عبدالعلی بھی شریک تھے۔ ہر طرف سے انحراف دیکھ کر رائج الوقت حکومت کچھ دب گئی۔ اور احمد اعرابی کے مطالبات کو تسلیم کرلیا۔ مگر اعرابی نے مزید مطالبات پیش کردیئے۔ اس پر گورنمنٹ نے اسے نائب وزیر جنگ بنادیا تاکہ وہ چُپ رہے۔ اسے کابینہ کا ممبر بنالیا گیا اور پاشا کا معزز خطاب دیا گیا مگر اس کے باوجود اعرابی پاشا نے اپنے مطالبات سے ذرا بھی انحراف نہ کیا بلکہ مزید سختی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 1882ء میں تمام ملک میں جگہ بجگہ بلوے ہونے لگے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کا قتل عام ہوا۔ اس پر انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بحری بیڑے سکندریہ کی بندرگاہ میں لا کھڑے کئے۔ اعرابی پاشا مصری فوج کو لے کر تل الکبیر کے مقام پر معرکہ آراء ہوا لیکن انگریز جیت گئے۔ خود خدیو مصر بھاگ کر سکندریہ میں انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ اعرابی پاشا گرفتار ہوا اور مصری عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا گیا چنانچہ اسے سیلون میں جلاوطن کرکے نظر بند کردیا گیا۔ جہاں سے اسے 1901ء میں رہائی ملی اور 21 ستمبر 1911ء کو وہ فوت ہوگیا۔

اب بظاہر مصر میں پھر امن چین نظر آنے لگا۔ مگر اندر ہی اندر انگریزوں کے خلاف جذبۂ نفرت وحقارت بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف انگریزوں کے سامنے سخت پریشان کن مسئلہ سوڈان کا تھا جسے خدیو مصر اپنے زیر عنان شمار کرتا تھا۔ مگر وہاں کے باشندے اپنے آپ کو کلیۃً آزاد سمجھتے تھے۔ مصری خزانہ سوڈان پر ہر سال 20 لاکھ پاؤنڈ خرچ کرتا تھا۔

سوڈان میں اگر حکومت تھی تو سید محمد احمد کی تھی۔ جو وہاں کے باشندے تھے۔ اور اپنے آپ کو مہدی خیال کرتے تھے۔ اور نیکی میں ان کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے عقیدتمند لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ وہ خود اور ان کے ہم خیال مرید انگریزوں سے لڑائی کو فرض سمجھتے تھے۔ انگریزوں کو یہ خوف بھی تھا کہ اس خیال کو اگر قبولیت عامہ حاصل ہوئی تو نہر سویز کی حفاظت کے بہانے جو ہم یہاں جمے بیٹھے ہیں اس میں ہمارے لئے سخت مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ چنانچہ انہوں نے خدیو مصر پر دباؤ ڈالا اور سوڈان پر فوج کشی کے احکام صادر کرائے۔ سر ولیم ہکس کو فوج کا

اعلیٰ افسر بنا کر بھیجا گیا۔قاہرہ سے خرطوم 870 میل ہے۔کوئی ریل نہ ٹرانسپورٹ۔ پیدل چل کر جانا تھا تاکہ اس 'مہدی' اوراس کے درویشوں کو سیدھا کیا جائے۔ سفر ریگستان کا۔موسم گرمیوں کا۔علاقہ دشمن کا۔لُو چلتی تھی۔فوجیوں کے ہوش اُڑے ہوئے تھے۔شروع میں ہی سب کے دل مُردہ ہوگئے۔سرولیم اوران کے نائبوں میں ابتدا میں ہی تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی تھی۔اُدھر سید محمد احمد نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اس مصری فوج کو راستے میں کچھ نہ کہنا۔ان کو جس قدر ہوسکے جانبِ جنوب آنے دو۔جب یہ سوڈان میں پہنچ جائیں گے تب انہیں آٹے دال کا بھاؤ بتائیں گے۔ مارچ میں چلے تھے اور سفر کرتے کرتے نومبر آگیا۔ 15 نومبر 1883ء کو عبید کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں مہدی کے درویشوں نے ہکس پاشا کی فوج کو بالکل تہس نہس کردیا۔بمشکل چند آدمی بچے جنہوں نے جاکر تباہی کی داستان سنائی۔

13 برس تک پھر انگلستان کو جرأت نہ ہوسکی کہ سوڈان کا رُخ کریں۔جنگِ عبید کے تقریباً ڈیڑھ برس بعد 22 جون 1885ء کو سید محمد احمد مہدی سوڈان انتقال فرماگئے۔اور خرطوم محلّہ اُمّ درمان میں دفن ہوئے۔

انگریزوں نے سوڈان کی فتح کے لئے جنرل گارڈن کو بھی بھجوایا اس نے خرطوم لے تو لیا مگر یوں کہ وہ کچھ فوج لے کر محصور ہوگیا اور اُس وقت کے (مسلمانوں کے مشہور معاند) برطانوی وزیراعظم گلیڈسٹون سے اپیلیں کرتا رہا کہ جلد امداد بھجواؤ۔ مگر وہاں سے سوائے تساھل کے کچھ نہ ہوا۔گارڈن کے بھائی نے گلیڈسٹون سے ذاتی طور پر مل ملا کر کوشش کی تو ایک فوج ترتیب دے کر بھجوائی گئی۔مگر وہ کارروائی بے وقت تھی گارڈن محاصرہ کی تاب نہ لاکر مغلوب ہوگیا اور مارا گیا۔......جب گارڈن کو قتل کرکے درویش اس کا سر ایک رومال میں باندھ کر مہدی کے سامنے لے گئے تو اس نے اظہارِ ناراضگی کیا کہ تم کو قتل کرنے کے لئے کس نے کہا تھا؟ گارڈن کے قتل کے چھ ماہ بعد مہدی بھی فوت ہوگئے۔

معرکہ ہائے مصر کے ضمن میں لارڈ کچنر کا نام ضرور آتا ہے۔یہ ایک انگریز افسر کا بیٹا تھا جو انگریزی فوج متعینہ مصر میں بطور کیپٹن بھرتی ہوکر آیا اور محنت کے باعث ترقی کرتا ہوا 1892ء میں مصری فوج کا کمانڈر انچیف مقرر ہوا۔جنگ عبید کے بعد سے سوڈان میں مہدی سوڈانی کا تسلّط تھا۔انگریزوں کو سرولیم ہکسن کی تباہی بھولی نہ تھی۔ان کو یہ ذلیل کن شکست ہر وقت آتش زیر پا رکھتی تھی۔اب وقت آگیا تھا کہ اس کا بدلہ لیا جائے۔چنانچہ اس کام کے لئے جنرل کچنر کا انتخاب ہوا۔اس نے ایک لمبے عرصے تک تیاری کرنے کے بعد ایک فوج تیار کی۔اس وقت مہدی سوڈان کا ایک خلیفہ عثمان دِغنہ نامی مہدی کے نام پر حکومت کررہا تھا۔ عثمان دغنہ کے دل میں انگریزوں کے لئے سوائے شدید ترین نفرت وعداوت کے اور کچھ نہ تھا۔یہ آدمی کیا تھا ایک دیو تھا۔سر پر بکھرے ہوئے بال،چھوٹی چھوٹی مگر عقابی آنکھیں،نہایت ہی سادہ لباس،ہاتھ میں شمشیر آبدار،ہر وقت اپنے پیروؤں کو اکٹھا کرکے جہاد کی تلقین کرتا رہتا تھا۔اوپر سے لارڈ کچنر کروفر سے چلے آخر کار 2 ستمبر 1892ء کو محلّہ امّ درمان کے قریب نہایت خون ریز جنگ ہوئی۔ انگریزوں نے تمام زور خرچ کرڈالا اور کامیاب ہوئے۔اگرچہ یہ کوئی جنگ نہ تھی کیونکہ درویشوں کے پاس پرانے زمانہ کا اسلحہ تلوار اور بھالے تھے۔مگر انگریزوں کے پاس ہر قسم کا جدید اسلحہ رائفلیں اور توپ خانہ تھا۔اس جنگ میں سرونسٹن چرچل نے بھی حصہ لیا تھا اور ایک موقعہ پر بمشکل جان بچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس فتح سے انگریزوں کو بے حد خوشی ہوئی اور کچنر کی خوب عزت افزائی کی گئی۔ 1902ء سے 1909ء تک یہی لارڈ کچنر ہندوستان میں کمانڈر انچیف بھی رہا۔ یہاں سے ریٹائرڈ ہوا تو فیلڈ مارشل بنایا گیا۔1911ء سے 1916ء تک مصر میں برطانوی ہائی کمشنر رہا۔ جنگ عظیم اوّل میں وہ وزیر جنگ تھا۔ اسی زمانہ میں زاونکولس ثانی شہنشاہ روس نے اس کو روس بلوا بھیجا تاکہ روسی افواج کو ازسرنو منظم کرنے میں امداد دے۔5 جون 1926ء کو انگریزوں کے ایک مشہور بحری اڈّے سکاپا حلو سے وہ روس کی شمالی بندرگاہ آرک اینجل کے لئے رات کے اندھیرے میں خفیہ طور پر روانہ ہوا۔چونکہ جرمن آبدوزیں اس کی تاک میں تھیں اس لئے اس خیال سے کہ جرمنوں کو علم نہ ہوجائے،جہاز کو اکیلے ہی روانہ کردیا گیا اور حفاظتی جہاز چند میل کے بعد واپس لوٹ آئے۔مگر جرمنوں کو خوب علم تھا کہ لارڈ کچنر اسی جہاز میں سفر کررہا ہے۔انہوں نے گھیرا ڈال لیا اور کپتان سے مطالبہ کیا کہ کچنر کو ہمارے حوالے کردو۔اس نے انکار کیا جس پر جہاز کو غرق کردیا گیا۔اور یہ مشہور زمانہ انگریز جنرل سمندر کی اتھاؤں میں غرق ہوگیا۔انہی دنوں میں لکھنؤ کے مشہور اخبار اودھ پنچ نے ایک نظم شائع کی تھی جس کے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ اے مسلمانو! مسجد کے حوض میں ڈوب کر کیوں مرتے ہو۔بلکہ

دریا دلی کے شعبدے کچنر سے سیکھ لو

یہ تمام واقعات اس واسطے ذرا تفصیل سے لکھے ہیں کہ اس شخص کی موت میں قدرت نے ایک زبردست سبق رکھا ہے۔اور وہ یہ کہ جنگ امّ درمان کے بعد کچنر نے فتح کے نشہ میں مہدی سوڈانی کی قبر کو کھدوایا اور اس کی ہڈیوں کو ہوا میں بکھیر دیا تھا۔قدرت نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ کچنر کو سمندر میں غرق کیا تا حساب برابر ہوجائے۔اسی واقعہ کو علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں مہدی سوڈانی کی روح کی زبان سے نظم کیا ہے۔لارڈ کچنر کی واقعی یہ ایک کمینہ حرکت تھی اس سے تو راجہ شیر سنگھ ہی اچھا رہا جس نے حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعش کو دیکھ کر اپنا خاص دوشالہ احتراماً اُس پر ڈال دیا اور مسلمانوں کو بلوا کر حکم دیا کہ حضرت سید صاحب کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ اسلامی طریق سے دفن کیا جائے۔

مصر جنگ عظیم اوّل میں

جنگِ عظیم اول کے شروع میں انگریز مصر میں اس قدر مضبوطی سے قدم جما چکے تھے کہ 18 دسمبر 1941ء کو انہوں نے محض ایک اعلان کے ذریعہ ہی مصر کو اپنی 'حفاظت' میں لینے کا اعلان کردیا۔خدیو مصر عباس حلمی پاشا کو (جو اُس وقت قسطنطنیہ گیا ہوا تھا) اس کی غیر حاضری میں ہی معزول قرار دیدیا اور اسی خاندان کے ایک اور شہزادے حسین کو بادشاہ بنادیا۔اس نے برطانوی کابینہ سے دعائیں لے کر سلطان کی بجائے اپنے لئے 'مَلک' کہلوانا پسند کیا مگر 1917ء میں اس کی وفات پر فواد کو بادشاہ بنایا گیا جو اپنے پیش رَو کی طرح انگریزوں کا پروردہ تھا۔

جنگِ عظیم اوّل کے دوران مصری قوم بالکل خاموش رہی۔ان دنوں مصر ایک بہت بڑے فوجی کیمپ کی شکل میں تبدیل ہوگیا تھا۔یہاں سے فلسطین اور گیلی پول کے لئے مہمات چلائی جارہی تھیں۔جنگ ختم ہوتے ہی مصری پھر بیدار ہوگئے اور

13 نومبر 1918ء کوصلح نامہ وارسائے کے صرف دو دن بعد سعد زاغلول، عبدالعزیز فہمی اور علی شعراوی برٹش ہائی کمشنر سے ملے اور اس کو نہایت واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ تم لوگ فوراً مصر کو خالی کر دو۔ اس نے ان کی بات نہایت تحمل سے سنی مگر دوسرے ہی دن ان تینوں کو گرفتار کر کے جزیرۂ مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ وفد پارٹی کے لیڈروں کو جب اس طرح گرفتار کر لیا گیا تو تمام ملک میں شور مچ گیا۔ خصوصاً طلباء نے شورش کر کے عملی طور پر گورنمنٹ کی تمام مشینری کو مفلوج کر دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ انگریزوں نے خاموشی سے سعد زاغلول کو رہا کر کے مصر کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مگر حسب ذیل شرائط عائد کیں۔

۱۔ برطانیہ مصر میں انگریزی سلطنت کے سلسلۂ مواصلات کا نگران ہوگا۔

اس شرط کی تشریح سابق ہائی کمشنر مصر لائیڈ نے جو بعد میں بمبئی وسندھ کے گورنر بنے یوں کی کہ: ''برطانوی ذرائع آمد ورفت سے صرف نہر سویز ہی مراد نہیں بلکہ وہ تمام راستے مراد ہیں جو ہندوستان اور آسٹریلیا کو جاتے ہیں۔ نیز ایران عراق اور چین تک پہنچنے کے لئے سمندر، ہوا یا زمین پر سے گزرتے ہیں اور جن سے ہمارے تجارتی اور سیاسی مفاد وابستہ ہیں۔ علاوہ ازیں اس شرط میں وہ راستے بھی شامل ہیں جو ہمارے افریقی مقبوضات تک جاتے ہیں''۔

۲۔ انگلستان مصر کے دفاع کا ذمہ دار ہوگا۔

۳۔ تمام غیر ملکیوں کے مفاد کی نگرانی انگلستان کیا کرے گا۔

۴۔ اندرون ملک تمام اقلیتوں کے حقوق کا محافظ انگلستان ہوگا۔

۵۔ سوڈان کا محافظ بھی انگلستان ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ اعلان صرف شاہ فواد کو ہی مطمئن کر سکا ہوگا۔ اس سے مصریوں کے دل جل گئے مگر آہنی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ کچھ نہ کر سکے۔ کچھ عرصہ بعد چند منچلے نوجوانوں نے سرلی سٹیک انگریز کمانڈر انچیف کو سرِ بازار قتل کر دیا۔ بہت پکڑ دھکڑ ہوئی اور سخت سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد بے شمار دفعہ آزادئ مصر کے لئے گفت وشنید ہوئی۔ مگر ہر دفعہ معاملہ طے ہونے کی بجائے اور الجھ کر رہ جاتا۔ آخر کار 1936ء میں ایک معاہدہ قرار پایا جس کی دفعات اس قسم کی تھیں:

(۱) اگر مصر پر باہر سے کوئی حملہ ہو تو انگریز مصر کی حفاظت کریں گے۔ ایسی حالت میں مصری اپنے سلسلۂ مواصلات کو کلیتۂ برطانوی حکومت کے حوالہ کر دیں گے۔

(۲) مصریوں نے تسلیم کیا کہ وہ نہر سویز کے علاقہ میں دس ہزار برطانوی فوج رہنے دیں گے۔ ان کے علاوہ 400 پائلٹ جو جہازوں کو نہر میں سے چلانے کے لئے ذمہ دار ہیں وہ بھی رہیں گے۔

(۳) بقیہ تمام انگریزی فوج مصر سے چلی جائیگی۔

(۴) سکندریہ کا بحری اڈہ آٹھ سال تک انگریزوں کے قبضہ میں رہے گا۔

(۵) برطانوی سفیر کو دیگر سفیروں پر تفوّق حاصل رہے گا۔

(۶) مصر کو لیگ آف نیشنز کا ممبر بنا دیا جائے گا۔

(۷) یہ معاہدہ بیس 20 سال تک قائم رہے گا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس معاہدہ سے آزادئ کامل کی تعبیر نہ نکلتی تھی۔

مصر جنگِ عظیم دوم میں

جنگِ عظیم ثانی میں بھی مصر پر عملی طور پر انگریزوں کا ہی تسلّط رہا۔ انہوں نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور سخت سنسر شپ قائم کر دی۔ سلسلۂ مواصلات پر اُن کا مکمل قبضہ تھا۔ جرمنی اور اٹلی سے تعلقات منقطع کر لئے گئے۔ مگر جنگ کی حالت یہی نہ تھی، بلکہ انگریزوں نے مصر کو بہت بڑا فوجی مرکز بنا کر اُسے ہر طرح سے Base بنا لیا۔ بے شمار قوموں کے سیاسی لیڈر یہاں آن اکٹھے ہوئے۔ اتحادیوں کا شاید ہی کوئی ممتاز لیڈر ایسا ہو جس نے اس جنگ میں قاہرہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف نہ بخشا ہو۔ قاہرہ میں بڑی بڑی معرکے کی میٹنگز ہوتی رہیں۔ جن میں چرچل، چیانگ کائی شیک، روزویلٹ اور عصمت انونو وغیرھم شامل ہوتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ مصر کو صرف اس واسطے آزادی نہ دیتا تھا کہ آزادی ملنے کے ساتھ ہی نہر سویز پر سے بھی اس کا قبضہ جاتا رہے گا اور اس کے جہازوں کو بے شمار قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا اُس نے وہ تمام سیاسی ہتھکنڈے استعمال کئے جو استعماری طاقتیں ایسے موقع پر ہمیشہ استعمال کرتی ہیں تاکہ محکوم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک دبا رہے۔

جنگِ عظیم ثانی کے خاتمہ کے ساتھ ہی حکومت مصر نے 1936ء کے معاہدہ کو منسوخ کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔ مگر انگریز ہر حیلے بہانے سے معاملات کو طول دیتے جاتے تھے۔ آخر کار 1947ء میں گفت وشنید بالکل بند ہوگئی۔ اس کے بعد 13 جون 1953ء کو مصر میں عظیم انقلاب ہوا۔ بادشاہی کا تختہ جنرل محمد نجیب نے پلٹ دیا۔ برطانیہ جن عناصر سے کام لیا کرتا تھا ان کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن جنرل نجیب نے جلد ہی اپنی جگہ جمال عبدالناصر کے لئے خالی کر دی، جنہوں نے بہت زیادہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ مثلاً:

ملک کے وسائل کو زیادہ سے زیادہ ترقی کیلئے ضروری تھا کہ اسوان کے مقام پر سابقہ تعمیر شدہ بند کی بجائے موجودہ طرز کا ایک نیا عظیم الشان بند تعمیر ہو جو ملکی زراعت کیلئے زیادہ مفید ثابت ہو۔ ابتداء میں تو برطانیہ اور امریکہ نے اس بند کی تعمیر میں معقول امداد دینے کی پیش کش کی مگر پھر خود بخود دستِ تعاون کھینچ لیا۔

دُنیا کو یہ سبق خود انگریزوں نے ہی دیا ہے کہ جس ملکی صنعت یا صیغہ کو خاص حفاظت دینی مقصود ہوا سے ملک کی پارلیمنٹ کے ذریعہ ''قومی ملکیت'' قرار دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مصری پارلیمنٹ نے بھی نہر سویز کو قومی ملکیت قرار دے دیا۔ یہ قانون پاس ہونا ہی تھا کہ برطانیہ اور فرانس کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی جمال عبدالناصر نے اعلان کر دیا کہ آئندہ نہر سویز سے جس قدر ہمیں آمدنی ہوگی وہ تمام مصر وصول کیا کرے گا اور یہ تمام رقوم ایک علیحدہ فنڈ میں جمع کر کے اسوان کا نیا بند تعمیر ہوگا۔

یوں تو نہر کا معاہدہ 1968ء میں ختم ہونے والا تھا۔ بہر حال مصریوں نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو بار بار یقین دلایا کہ فکر نہ کرو تمہارا سرمایہ بالکل محفوظ رہے گا۔ اس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے مگر ان سُود خوروں کو کیسے یقین آتا؟ چنانچہ ان دونوں طاقتوں نے اپنے غم وغصہ میں اور آخر اکتوبر 1956ء میں حکومت اسرائیل کو شہ دی کہ وہ مصر پر حملہ کر دے۔ چنانچہ اس نے جھٹ جزیرہ نمائے سنائی کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس پر برطانیہ اور فرانس نے مشترکہ طور پر مصر کو نوٹس دیدیا کہ اگر تم نے اسرائیل سے جنگ بند نہ کی تو ہم دونوں ملک تم پر چڑھائی

کردیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ محض لڑنے کے بہانے تھے۔ چنانچہ یکم نومبر 1956ء کو 3 بجکر 40 منٹ پر برطانوی جیٹ بمباروں نے قاہرہ اور سکندریہ پر بمباری کی۔ وزیرِ خارجہ سلون لائد نے برطانوی پارلیمنٹ میں اس امر کی تردید کی کہ ہم نے حملہ کیا ہے مگر یہی وہ وقت تھا جبکہ ادھر بیان دیا جارہا تھا اور اُدھر حملہ شروع کر کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ ہمارا مقصد تو صرف نہر سویز پر قبضہ ہے۔ وزیر اعظم مسٹر ایڈن نے اعلان کیا کہ چونکہ مصر ہماری پالیسی کے خلاف چل رہا ہے اس واسطے یہ عارضی کارروائی کی جارہی ہے۔ یہ مصر میں 'ہلکا سا پولیس ایکشن ہے'، ہماری فوجیں ضرورت سے زیادہ ایک دن بھی وہاں نہ ٹھہریں گی۔ حزبِ مخالف کے لیڈر مسٹر ہیوگیٹکل نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری حکومت نے جو مصر میں کارروائی کی ہے اس کی وجہ سے کروڑوں برطانوی باشندوں کے سر ندامت سے جھک گئے ہیں۔ ہماری حکومت کا یہ اقدام اقوامِ متحدہ کے منشور کے خلاف ہے۔ بشپ آف کنٹربری نے ہاؤس آف لارڈز میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''اس حقیقت کو چھپایا نہیں جاسکتا کہ دنیا کی نگاہ میں برطانیہ کی یہ کارروائی ظلم پر مبنی ہے''۔ امریکہ کے وزیرِ خارجہ جان ناسٹر ڈلس نے یونائیٹڈ نیشنز میں اسمبلی میں اقرار کیا کہ برطانیہ اور فرانس کا حملہ ایک زبردست غلطی ہے جس کو پولیس ایکشن کا نام دیا جارہا ہے۔ برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن نے کہا کہ آج مصر کے معاملات پر بحث کرتے وقت جو ہنگامہ برٹش پارلیمنٹ میں ہوا اُس کی مثال گزشتہ تیس برس میں نہیں پائی جاتی۔

برطانیہ نے غم و غصّہ میں ایک ہسپتال پر بھی بم برسائے حالانکہ اس پر ریڈ کراس کا نشان ظاہر تھا۔ اس دوران میں مصر پر کیا گزری یہ ایک بہت خونچکاں داستان ہے۔ مصر کا بڑا نقصان ہوا۔ تین ہزار مصری مارے گئے۔ چیکوسلواکیہ سے جس قدر ہوائی جہاز خریدے تھے وہ تقریباً سب کے سب تباہ ہوگئے۔

مصریوں نے برطانیہ اور فرانس کے مشترکہ فوجی حملہ کا جواب یوں دیا کہ انہوں نے نہر سویز میں 49 بڑی بڑی مگر پُرانی کشتیاں گُوڑا کرکٹ اور اینٹ پتھر سے بھر کر نہر کے اندر مختلف جگہوں پر غرق کر دیں جس سے نہر اَٹ گئی اور ناقابلِ عبور ہوگئی۔ اس طرح عملاً نہر بند ہوگئی اور تمام دُنیا مجبور ہوگئی کہ افریقہ کے گرد گھوم کر راس امید کے رستے مشرق کی طرف جائیں۔ دو ماہ تک وہ مصیبت برداشت کرتے رہے مگر اس کے بعد تمام مغربی طاقتیں فریاد لے کر یونائیٹڈ نیشنز میں پہنچیں۔ وہاں پر آپس میں صلاح مشورے سے طے ہوا کہ مسٹر ڈاگ ہمرشول سیکرٹری جنرل خود جا کر جمال عبدالناصر سے گفتگو کریں۔ سیکرٹری جنرل نے جا کر جب درخواست کی تو مصریوں نے جواب دیا ہم تو نہر کی صفائی پر ایک پیسہ بھی نہیں لگائیں گے۔ اب انگریز اور فرانسیسی آئیں اور اپنے خرچ پر نہر صاف کرائیں۔ جب صاف ہوجائے گی تو مکمل کنٹرول ہمارا ہوگا۔ تمام رقوم ہم وصول کریں گے۔ ہماری اپنی مقرر کردہ شرح سے اجرت ادا کرنی ہوگی۔ یہ تمام شرائط مان لی گئیں۔ چھ ماہ کے عرصہ میں جا کر نہر صاف ہوئی اور معاملہ کچھ سلجھا۔ مصر والوں نے تمام انگریزی اور فرانسیسی بنک مصر میں بند کر دیئے اور ان دونوں قوموں کے باشندوں کو مصر سے خارج کر دیا گیا۔ انگریزی سکول بند کر دیئے گئے۔

نہر سویز کے مصر کی قومی ملکیت بننے کے واقعہ سے برطانیہ کے قومی وقار کو جو سخت صدمہ پہنچا اُس کی تلافی بظاہر ناممکن تھی۔ مسٹر ایڈن اس تمام مصیبت کے ذمہ دار تھے۔ اس کی پاداش میں اُن کو سیاسیات سے علیحدہ ہونا پڑا۔

(باقی آئندہ شمارہ میں)

(آئندہ شمارہ میں دنیا کے ایک اَور نہایت اہم خطّہ میں انگریزوں کے بزورِ شمشیر قبضہ کرنے اور وہاں کے قدرتی وسائل کو لُوٹنے اور افرادی قوّت کے ناجائز استعمال کا ذکر ہوگا۔ اس انگریزی حکومت کی پشت پر صلیبی چرچ کا جھنڈا ہمیشہ لہراتا رہا تاکہ اس حکومت کو مذہب کے نام پر دوام حاصل ہوجائے۔ یہ اہم خطّہ کونسا تھا؟ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وطن ہندوستان تھا۔)

بقیہ از صفحہ 15:

مثالی طالب علم

ایام طالب علمی میں بیعت اور مخالفت پر صبر و استقامت

حضرت حافظ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر جب آپ کو ملی، اس وقت آپ میڈیکل کالج لاہور کے طالب علم تھے۔ ایام طالب علمی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی بصیرت دی کہ آپ نے اپنے والد محترم سے ذکر کیا اور اُن کی اجازت حاصل کر کے فوراً بیعت کر لی۔

ایک روایت ہے کہ آپ کے والد صاحب نے استفسار فرمایا کہ اگر یہ وہی مسیح ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

اس بیعت کے بعد آپ کے گھر اور باہر دونوں اطراف سے سخت مخالفت ہوئی گھر میں بھائیوں نے بائیکاٹ کیا اور موچی دروازہ کی حویلیوں اور تاج پورہ اور شیخو پورہ روڈ پر آبائی زمین سے حصہ دینے سے انکار کر دیا۔''

(سیرت و سوانح حضرت حافظ خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین ۔ صفحہ:61)

گھریلو ملازم کو تلقین

مکرم احمد سعید اختر صاحب ابن محترم ماسٹر فضل الرحمٰن بسمل صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ کے متعلق ان کی اہلیہ نے لکھا:

''سب بچوں کو بہترین دینی اور دنیاوی تعلیم دلوائی اور خود بھی اپنے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اپنے آخری دنوں میں بڑے بیٹے میجر احمد نعیم اختر کے گھریلو ملازم کو تلقین کرتے کہ ساتھ ساتھ پڑھائی بھی کرو۔ علم انسان کو دین و دنیا میں اچھا مقام دیتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل۔6 مئی 2014ء، صفحہ:5)

(جاری ہے)

صداقتِ احمدیت کی ایک عام فہم دلیل

خدا تعالیٰ کا مسیح موعودؑ کے غلاموں اور دشمنوں کے ساتھ امتیازی سلوک

(احمد طارق مبشر۔ مبلغ سلسلہ۔ بنگلہ ڈیسک ،لندن)

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے خاکسار کو کچھ عرصہ بنگلہ دیش کے شمالی علاقہ جماپلور میں بطور زونل انچارج خدمت بجالانے کی توفیق ملی ہے۔ اس علاقہ میں تبلیغی میدان میں کئی واقعات پیش آئے اور میدان عمل میں اللہ تعالیٰ نے کئی معجزے بھی دکھائے۔ یہاں مختصراً ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔

مارچ 2000ء میں مرکز کی ہدایت پر جماپلور اور ٹانگائیل ضلع کی سرحد پر واقع ایک گاؤں 'کبار یا باڑی' میں ہم تین احمدی (یعنی پروفیسر عبدالجبار صاحب، مکرم سیف الاسلام صاحب اور خاکسار) پہنچ گئے۔ مغرب کے بعد ایک تبلیغی پروگرام رکھا گیا تھا لیکن نماز عصر کے بعد ہی علاقہ کے بعض شر پسند اکٹھے ہوکر ایک مُلّاں کے ہمراہ اُس گھر میں آگئے جس میں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کا لہجہ تند و تیز اور دھمکانے والا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ تم ہمارے علاقہ کے لوگوں کو مرتد بنانے کے لئے آئے ہو اور ہم تمہیں کسی حالت میں یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔

ہم نے انہیں سمجھانے کی کافی کوشش کی لیکن وہ ہماری کوئی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔ جب مغرب کی اذان ہوئی تو وہ قریبی مسجد میں چلے گئے۔ ہم نے اُسی گھر میں نماز ادا کی اور فیصلہ کیا کہ ہنگامے کے خدشہ کے پیش نظر ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھا جائے۔ لیکن نماز کے فوراً بعد دو تین سولوگوں نے اُس گھر کو گھیرے میں لے لیا جہاں ہم موجود تھے اور بیہودہ زبان میں چلّانے اور دھمکیاں دینے لگے۔ جب مَیں باہر نکلا تو دیکھا کہ علاقہ کے لوگ مباحثہ کی غرض سے میز کرسیاں لگا رہے تھے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ ہم سب آپ لوگوں کے ساتھ زمین پر ہی بیٹھیں گے۔ حالات کا اندازہ لگا کر مَیں نے صاحبِ خانہ (اکبر صاحب) سے کہا اگر کچھ ہو گیا تو میرا سامان میرے گھر والوں کو پہنچا دیں۔ اکبر صاحب کی دعوت پر ہی ہم اُن کے گاؤں میں تبلیغی پروگرام کرنے کے لئے آئے تھے۔

بہرحال جب ہم زمین پر بیٹھ گئے تو پروفیسر عبدالجبار صاحب اور میرے درمیان علاقہ کا ایک نوجوان (جو کہ جماعت اسلامی کا لیڈر بھی تھا) از خود ہی بطور صدر بیٹھ گیا۔ پھر بات چیت شروع ہوئی تو کسی نے میری کلائی کو زور سے پکڑ لیا جیسے مجھے پکڑ کر رکھنا چاہتا ہوتا کہ مَیں کہیں بھاگ نہ جاؤں۔ پھر سوالات شروع ہوئے تو اللہ کے فضل سے خاکسار جرأت کے ساتھ پچاس منٹ تک مسلسل بولتا رہا۔

مُلّاں مختلف بے بنیاد اعتراضات کرتا رہا۔ لیکن جب ہم اُس سے ثبوت یا حوالہ طلب کرتے تو وہ قرآن وحدیث کی بجائے اپنے ہی ایک رسالہ میں ہمارے خلاف شائع ہونے والے مضامین کا حوالہ دیتا۔ جب ہم اصل حوالہ دکھانے کے لئے اصرار کرتے تو وہ مُلّاں لوگوں کو بھڑکانے لگتا۔ جب ایسے ہی وقت گزرنے لگا تو میرے ساتھ بیٹھے ہوئے جماعت اسلامی کا کارکن کہنے لگا کہ یہ قادیانی باتیں بہت اچھی کرتے ہیں اور باتوں سے ہم انہیں قابو نہیں کرسکیں گے۔ لیکن ہمارے علماء نے کہا ہوا ہے کہ یہ واجب القتل ہیں اس لئے آؤ بسم اللہ کرتے ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے میری پیٹھ پر ایک لٹھ کا زوردار وار کیا۔ اس کے بعد ہر طرف سے لوگ ہم دونوں پر ٹوٹ پڑے۔ قریباً نصف گھنٹہ تک یہ ہنگامہ جاری رہا اور اس دوران مَیں بیہوش ہو گیا۔ جسم کے مختلف حصّوں سے خون بہنے لگا۔ سر پر شدید چوٹیں آئیں۔ بعد میں مکرم اکبر صاحب نے اپنے بعض دوستوں کی مدد سے ہمیں وہاں سے نکلوانے کا انتظام کیا۔

پھر ہم چھپتے چھپاتے، آدمیوں کا سہارا لیتے ہوئے کھیتوں میں سے گزرتے رہے۔ راستہ میں دو تین گھروں میں پناہ بھی لی۔ پھر جب رات کو دوبارہ جلوس تیار ہو کر ہمیں ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو مَیں چند میل کے فاصلہ پر جگناتھ گنج گھاٹ کے بس اڈّہ پر پہنچ چکا تھا جہاں سے مجھے بذریعہ رکشہ شریشاباڑی میں تصدق حسین صاحب کے گھر پہنچایا گیا۔ نیم بیہوشی کی کیفیت تھی۔

بعد میں علم ہوا کہ جس مُلّاں نے یہ کام کروایا ہے اس نے اس کام کے لئے علاقہ کے مشہور جسیم ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کو شراب پینے کے لئے پیسے دے کر کرایہ پر بلوایا تھا۔ انہوں نے صرف ہمیں ہی نہیں مارا بلکہ علاقہ کے کئی احمدیوں کو بھی مارا اور اُن کے گھر اور سامان لُوٹ کر سخت نقصان پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد وہاں یہ معجزہ دکھایا کہ ایک ہی ہفتہ بعد یہ مُلّاں کسی خاتون کے ساتھ ناجائز تعلقات کے دوران رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ علاقہ کے لوگوں نے اس کا سر منڈوایا اور مٹی کا تیل لگا کر اُس کے گلے میں جوتے کے ہار پہنا کر گاؤں سے ذلّت کے ساتھ نکال دیا۔ جبکہ جسیم ڈاکو نے جائداد کے سلسلہ میں اپنی اہلیہ کے بھائی کو شدید زخمی کر دیا۔ اُس پر مقدمہ چلا اور وہ ایک مہینہ جیل میں رہا۔ رہائی ملی تو اُس کے جسم کا نچلا حصہ یعنی کمر سے پاؤں تک مفلوج ہو گیا۔ بعد میں اس نے پروفیسر عبدالجبّار صاحب اور مجھے خط لکھ کر معافی مانگی۔ اُس نے لکھا کہ احمدیت کی مخالفت کی وجہ سے ہی آج میرا یہ حال ہے۔

اللہ کے فضل سے آج اُس گاؤں میں ڈش انٹینا کے ذریعہ ایم ٹی اے کے بنگلہ پروگرام دیکھے جارہے ہیں۔ اور یہ پروگرام لندن سے وہ شخص پیش کررہا ہے جسے گاؤں والوں نے مار مار کر گاؤں سے نکال دیا تھا۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک زبردست دلیل بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس علاقہ کے احمدیوں نے شدید مخالفت کے باوجود ثابت قدمی دکھائی اور بہت وفا سے اپنا تعلق نبھایا۔ مذکورہ واقعہ کے نتیجہ میں خاکسار مسلسل آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا ہے اور میری بائیں آنکھ کے متعدد آپریشن ہو چکے ہیں۔ پرفیسر عبدالجبّار صاحب بھی آنکھوں اور کانوں کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

مثالی طالب علم

احمدیہ لٹریچر سے علم دوستی، علم پروری کے واقعات سے انتخاب

قسط دوم

(مرتبہ : طارق حیات
مربی سلسلہ احمدیہ)

احمدیہ لٹریچر سے ایسے چند واقعات کا انتخاب پیش کیا جارہا ہے جن کا مطالعہ احمدی طلباء وطالبات کو تعلیمی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینے کا جذبہ پروان چڑھانے اور نیکی وتقویٰ میں ترقی کرنے، اپنے پیش روؤں کی طرح ''مثالی طالب علم'' بننے کا سبب ہوگا نیز ان کا مطالعہ اور دہرائی احمدی والدین و بزرگان کے لئے رہنمائی ونگرانی کے لحاظ سے بھی مفید ٹھہرے گا۔

مثالی والدین

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنے والد محترم کے ذکر میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ میرے باپ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے مجھ کو اس وقت جب کہ میں تحصیل علم کے لئے پردیس جانے لگا۔ فرمایا اتنی دور جا کر پڑھو کہ ہم میں سے کسی کے مرنے جینے سے ذرا بھی تعلق نہ رہے اور تم اس بات کی اپنی والدہ کو خبر نہ کرنا۔''

(حیات نور از مکرم عبدالقادر سابق سوداگرمل، صفحہ19)

کتب بینی کی عادت

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''مجھ کو اپنے سن تمیز سے بھی پہلے کتابوں کا شوق تھا بچپنے میں جلد کی خوبصورتی کے سبب کتابیں جمع کرتا تھا۔ سن تمیز کے وقت میں نے کتابوں کا بڑا انتخاب کیا اور مفید کتابوں کے جمع کرنے میں بڑی کوشش کی۔''

(حیات نور از مکرم عبدالقادر سابق سوداگرمل، صفحہ9)

محنت کی عادت

حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق آپ کے بچپن کے دوست اور کلاس فیلو شیخ محبوب عالم خالد صاحب گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ روزانہ کالج کے علاوہ چھ سات گھنٹے پڑھتے تھے اور چھٹی والے دن بارہ بارہ، تیرہ تیرہ گھنٹے پڑھتے تھے۔ (حیات ناصر از محمود مجیب اصغر، صفحہ:65)

شادی کے فوراً بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن روانگی

6 ستمبر 1934ء کو حضرت مصلح موعود نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھجوایا۔ آپ کی شادی کو ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے پردیس کو رخت سفر باندھ کر روانہ ہوگئے۔

(حیات ناصر، مرتبہ: محمود مجیب اصغر، صفحہ: 79)

مثالیں

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے اپنے زمانہ قیام انگلستان میں ساتھی طلبہ کو بطور خاص دیکھا کہ وہ کتنا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا:

''آکسفورڈ میں اچھا طالب علم وہ سمجھا جاتا ہے جو کلاس ورک کے علاوہ بارہ بارہ گھنٹے سٹڈی کرتا ہے، یعنی کلاس روم کے علاوہ بارہ گھنٹے سٹڈی کرنے والا اچھا طالب علم اور آٹھ گھنٹے سٹڈی کرنے والا درمیانہ طالب علم اور جو کلاس روم کے علاوہ پانچ گھنٹے سٹڈی کرتا تھا اس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ پتہ نہیں یہ یہاں کیوں آ گیا ہے؟ اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر ہمارے ہاں اچھا طالب علم شائد اسے سمجھا جاتا ہے جو روزانہ پانچ گھنٹے اوسط پڑھتا ہے لیکن وہاں انہوں نے وقت مقرر کیا ہوتا ہے کہ آٹھ یا دس گھنٹے یا بارہ گھنٹے ضرور پڑھائی کرنی ہے۔''

(حیات ناصر از محمود مجیب اصغر، صفحہ101)

سعادت مند بیٹا

مکرم زکریا ورک صاحب اپنے تعزیتی مضمون میں ڈاکٹر اعجاز قمر صاحب مرحوم کے سعادت مند بیٹے ڈاکٹر طاہر اعجاز صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کا لخت جگر ڈاکٹر طاہر اعجاز (ایم ڈی) اس وقت سان تیاگو، کیلی فورنیا میں برسر روزگار ہے۔ نہایت سعادت مند بیٹا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ آج سے سترہ یا اٹھارہ سال قبل جب وہ کنگسٹن کے جنرل ہسپتال میں ٹریننگ کے لئے آیا تھا تو میں نے اس کی رہائش کا انتظام کیا تھا۔ جب ہوٹل میں میں اس کو چھوڑنے گیا تو دیکھا کہ سوٹ کیس میں سب سے اوپر جائے نماز رکھا تھا جس کو اس نے سب سے پہلے باہر نکالا۔ میرے استفسار پر جو یادگار جواب دیا وہ آج بھی میرے ذہن پر ثبت ہے۔ کہنے لگا کہ میری والدہ نے نصیحت کی تھی Don't leave home without it یعنی جائے نماز کے بغیر سفر کے لئے نہ نکلنا۔ اس زمانہ میں ٹیلی ویژن پر اشتہار آتا تھا کہ امیریکن ایکسپریس کارڈ کے بغیر گھر سے باہر مت جاؤ۔ تو اس مناسبت سے والدہ کی نصیحت بہت ہی موزوں اور اچھی تھی۔ نیک ماں نے بچے کی کتنی اچھی تربیت کی تھی اور بچہ بھی کتنا تابعدار کہ والدہ کی نصیحت کو حرز جاں بنالیا۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ، یکم دسمبر 2014، صفحہ:4 کالم 4)

غیر معمولی جذبہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ لاہور میں بی اے کی تعلیم پا رہے تھے کہ اچانک آپ نے کالج چھوڑ دیا اور قادیان آکر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے قرآن و حدیث پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔ مکرم میر محمود احمد ناصر صاحب کی

روایت ہے کہ کالج چھوڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ کسی طالب علم نے اسلام یا احمدیت کے متعلق کوئی ایسا سوال کیا جس کا آپ فوری جواب نہ دے سکے۔ اس کا آپ کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آپ نے کالج چھوڑ دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں قرآن پورے طور پر نہ پڑھ لوں گا میں کالج نہیں آؤنگا۔

("حیات بشیر"، صفحہ 27)

محترم قاضی ظہور الدین اکمل صاحب رسالہ تشحیذ الاذہان میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے فرمایا: وہ کالج تو پھر مل جائے گا مگر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ قرآن مجید اور حدیث پڑھنے کا اور پھر وہ بھی نورالدین ایسے پاک انسان سے پھر موقع نہ مل سکے اس لئے میں نے یہی بہتر جانا۔

آپ کے کالج چھوڑنے کا پرنسپل کو خاص افسوس ہوا، اس نے یہ الفاظ لکھے:

An Excellent Student. His leaving is a loss to the college. (G. A. W.)

ترجمہ: یقیناً آپ ایک لائق طالب علم تھے اور آپ کا کالج کو چھوڑ جانا کالج کے لئے ایک نقصان دہ امر ہے۔

(ماہنامہ "تشحیذ الاذھان"، ماہ مارچ 1913ء صفحہ 154)

سینئرز اور جونیئرز

مکرم ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب کی شہادت کے بعد خطبہ جمعہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

"ان کے ایک دوست ڈاکٹر محمود کہتے ہیں کہ ہم میڈیکل کالج میں روم میٹ تھے، وہاں دیکھنے کا موقع ملا، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور میرے سے سینئر تھے اس لئے کوئی غلط کام دیکھتے تو بڑے پیار سے رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ خدمت خلق کا جذبہ ہمیشہ غالب رہا۔" (ہفت روزہ "الفضل انٹرنیشنل"، لندن، 20جون 2014صفحہ 8)

درسی کتب میں ایثار

ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب شہید کے بارہ میں ان کے کلاس فیلو مکرم مبارک صدیقی صاحب بتاتے ہیں:

"سکول کے زمانے میں بعض اوقات کورس کی ساری کتابیں میرے پاس نہیں ہوتی تھیں تو یہ مجھے کہتے کہ آدھا دن کتاب میں نے پڑھ لی ہے اب آدھا دن کتاب تم پڑھ لو، حتیٰ کہ بعض اوقات عین اس وقت جب اگلے روز امتحان ہوتا تھا آپ جلدی جلدی کتاب پڑھ کر مجھے پکڑا جاتے کہ اب باقی دن تم پڑھ لو، اس کے باوجود بھی آپ زیادہ تر اول پوزیشن ہی حاصل کرتے تھے۔"

(الفضل انٹرنیشنل، لندن، 20جون 2014صفحہ 8)

مثالیں

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اپنے بارہ میں لکھتے ہیں کہ

"گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے کرنے کے بعد 1946ء میں کیمبرج پہنچا۔ کیمبرج کے کلاس روم میں طالبعلم اس انداز میں بیٹھتے ہیں جس طرح نماز کے لئے نمازی مسجد میں آکر بیٹھتے ہیں۔ لیکچرار کے آنے سے پیشتر ایک سناٹا ہوتا ہے۔ لیکچر کے درمیان میں انگریز طالب علم چار چار قسم کی سیاہیوں والا قلم اور صحیح لکیریں ڈالنے کے لئے رولر استعمال کررہا ہوگا۔ اس کی نوٹس لینے والی کاپیاں ایسی احتیاط سے لکھی گئی ہوں گی جیسے پروفیشنل خوش نویس لکھ رہا ہو۔ میرے ساتھ والے طالب علم براہ راست سکولوں سے آئے تھے۔ عمر میں مجھ سے سب کم تھے لیکن ان کی خود اعتمادیوں اور امنگوں کا وہ عالم تھا جسے تحصیل کرنے کے لئے مجھے کم از کم دو سال درکار ہوئے۔ وہ ایسے ماحول سے آئے تھے جس میں ان کے سکولوں کا ہر استاد اچھے پڑھنے والے بچوں کو یہ سمجھا کر کیمبرج روانہ کرتا تھا کہ عزیزم تم اس قوم کے فرزند ہو جس میں نیوٹن پیدا ہوا تھا۔ سائنس اور ریاضی کا علم تمہاری میراث ہے اگر تم چاہو تو تم بھی نیوٹن بن سکتے ہو۔

کیمبرج میں ڈسپلن کا انداز بھی میرے لئے نیا تھا کیمبرج میں بی اے کا امتحان آپ زندگی میں صرف ایک بار دے سکتے ہیں۔ آپ خدانخواستہ فیل ہوجائیں تو پھر دوسری بار امتحان دینا ممکن نہیں۔ ہاسٹل کے ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ دس بجے رات تک آپ بلا اجازت باہر رہ سکتے ہیں۔ دس سے بارہ بجے تک ایک پینی جرمانہ لیکن اگر آپ بارہ بجے کے بعد آئے تو سات دن کی Gating ہوگی اور اگر سال کے دوران تین بار ایسا ہوا تو آپ کو کیمبرج سے نکال دیا جائے گا۔

کیمبرج میں ہر طالب علم Adult (بالغ) تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے سب کاموں کا ذمہ دار گنا جاتا ہے۔ اس سے بے جا تعرض نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے سزائیں بھی وحشیانہ تھیں۔ جنہیں وہ طالب علم مردانہ وار قبول کرتے تھے۔

کیمبرج میں یہ سختیاں 1968ء کے بعد سے ہٹ گئیں۔ کیمبرج کا طالب ہاتھ سے کام کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے دن جب میں St. John College پہنچا، میرا تین سیر کا بکس ریلوے اسٹیشن سے ٹیکسی پر چلا آیا لیکن جب کالج پہنچ کر میں نے پورٹر کو بلایا اور کہا کہ یہ میرا بکس ہے تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ Wheel Borrow ہے آپ اسے اٹھائیے اور باقیوں کے ساتھ اپنے کمرے میں لے جایئے۔

(ماہنامہ خالد، ڈاکٹر عبدالسلام نمبر، صفحہ 57-56)

شوق

مکرم زبیر احمد صاحب نے اپنے تایا چوہدری منظور احمد صاحب کے بارہ میں تعزیتی مضمون میں لکھا کہ

"آپ میٹرک تک سکول جاتے رہے لیکن ساری عمر زمیندارہ کیا، اس کے باوجود اپنے تمام بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ہمارے سب سے بڑے تایا زاد کرنل مشہود احمد صاحب کو فزکس میں Ph.D کی اجازت ملی تو ہمیں یاد ہے کہ ہم والد صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے گئے تو تایا جان بہت خوش تھے۔...... دو بیٹوں نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے M.Sc تک تعلیم حاصل کی۔"

(روزنامہ الفضل - ربوہ۔ 25جون 2014صفحہ :6)

باقی صفحہ نمبر 13 پر ملاحظہ فرمائیں

قرآن کریم کے حوالہ سے چند دلچسپ حقائق

(عبادہ عبداللطیف)

قرآن کریم کے اعراب اور نقاط کا تاریخی جائزہ

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہے''۔

قدیم عرب میں اگر چہ اعراب و نقاط کا وجود تھا لیکن بعد کے کسی زمانہ میں اسے ترک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق نقطوں کے موجد کا نام عامر بن جدرہ تھا جو قبیلہ بولان سے تعلق رکھتا تھا۔ قرآن کریم کی اوّلین کتابت میں بھی نقاط اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے کیونکہ اُس وقت جو عربی خط رائج تھا وہ ان کے بغیر ہوتا تھا۔ اِس خط کی نسبت حیرہ سے ہے جو کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اب نجف کہلاتا ہے۔ بعد میں یہی خط ''خطِ کوفی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں خطِ کوفی میں ہی قرآن کریم لکھا گیا۔ اگر چہ اُس زمانہ کا قرآن کریم کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں ہے لیکن آنحضور ﷺ کے بادشاہوں کے نام خطوط اور دیگر مصاحف بھی خط کوفی میں ہی لکھے گئے ہیں جو آج بھی محفوظ ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے دَور میں لکھا جانے والا قرآن کریم کا نسخہ جو مصحفِ امام کہلاتا ہے، یہ بھی خطِ کوفی میں ہی لکھا گیا ہے۔ اس میں اعراب اور نقاط نہیں لگائے گئے لیکن اس کا تلفّظ وہی تھا جو آج بھی رائج ہے۔ اُس زمانہ میں نقاط اور اعراب کے بغیر پڑھنے پر لوگ پوری طرح قادر تھے بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

جب عجمی اقوام نے اسلام قبول کیا تو مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے وہ قرآن کریم کی تلاوت میں غلطیاں کرنے لگے۔ اس پر حضرت علیؓ نے ابوالاسود دئلی کو چند قواعد بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا اور اس طرح ''علم النحو'' کے ابتدائی اصول وجود میں آئے۔ قرآن کریم پر نقاط اور اعراب لگانے کا کام بھی ابوالاسود کے ذریعہ ہی سرانجام پایا۔ ابوالاسود بصرہ کے قاضی تھے اور انہوں نے نقط مصاحف پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا۔ آپ 69ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور دیگر بہت سے علمائے سلف میں سے اکثر قرآن کریم پر نقاط یا دیگر علامات لگانا مکروہ بلکہ ایک طرح کی بدعت سمجھتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ نیم خواندہ لوگوں یا بچوں کے لئے نقاط و علامات لگانا جائز سمجھتے تھے لیکن بالغوں کے لئے اسے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مگر لوگ آہستہ آہستہ نقطوں اور اعراب والے قرآن کی طرف راغب ہوتے گئے اور علماء نے بھی اس کو پسندیدہ قرار دیدیا۔

اس سلسلہ میں دوسرا اقدم عبدالملک بن مروان نے اٹھایا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں جس کی سرپرستی میں یہ کام ابوالاسود کے دو شاگردوں یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم نے آگے بڑھایا۔ نصر نے نقطے وضع کر کے حروف کے مابین اشتباہ کو ختم کر دیا۔ آپ بصرہ کے قاری تھے۔

آغاز میں اعراب کی بجائے بھی نقاط ہی استعمال کئے جاتے تھے لیکن اُن کا رنگ سیاہ کی بجائے سرخ یا قرمزی ہوتا تھا۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں علم عروض کے بانی خلیل بن احمد نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں۔ انہوں نے ہمزہ، تشدید اور اشمام کی اصطلاحات بھی ایجاد کیں۔ اس طرح عبارت کا پڑھنا نہایت آسان ہوگیا۔

عباسی دَور کے ایک وزیر ابن مقلہ نے جو تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ایک باکمال خطاط تھے، رسم الخط میں بہت سی انقلابی تبدیلیاں ایجاد کیں۔ انہوں نے چھ نئے خط بھی ایجاد کئے جن میں سے سب سے مشہور ''خط نسخ'' ہے جو 310ھ میں ایجاد ہوا اور اپنی عمدگی کی وجہ سے قرآن لکھنے کے لئے مخصوص ہوگیا۔

ساتویں صدی ہجری میں امیر علی تبریزی نے ایک خوبصورت خط ایجاد کیا جو ''خط نستعلیق'' کہلاتا ہے۔ یہ خط اردو زبان میں لکھنے کے لئے خاص طور پر بہت معروف ہوا۔



قرآن کریم کی رکوعات اور پاروں میں تقسیم کی تاریخ

قرآن کریم شروع سے آخر تک خدا کا کلام اور اُسی کی حفاظت میں ہے اور ساری امّت اس پر متفق ہے۔ قرآن کریم کو اندرونی طور پر سورتوں، آیات، منازل، رکوعات اور پاروں میں اور پھر پاروں کو ربع، نصف اور ثلث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آنحضور ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق قرآن کریم کی ترتیب اپنی زندگی میں قائم فرمادی تھی۔ اسی طرح منازل کا تصور بھی ملتا ہے لیکن حضورؐ کی زندگی میں رکوعات اور پاروں کی اصطلاحات کا ذکر نہیں ملتا۔

قرآن کریم کی رکوعات اور پاروں میں تقسیم کی تاریخ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے شروع ہوتی ہے۔ آپؓ نے نماز تراویح کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ فی رکعت تیس آیات پڑھی جائیں تا کہ دس دن میں قرآن مکمل ہو اور پورے

رمضان میں قرآن کے تین دور مکمل ہوں۔
آنحضرت ﷺ تہجد کے وقت آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور بعض اوقات آپؐ نے اسے رات کے اوّل حصے میں بھی پڑھا۔ پس آٹھ رکعات تراویح پڑھنا سنت کے مطابق ہے لیکن چونکہ یہ نفل ہے اس لئے اگر کوئی زیادہ رکعات بھی پڑھنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی لوگ بیس رکعت پڑھنے لگے تھے تاکہ ہر رکعت کی قراءت جلدی ختم ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی پانچ اور دس آیات کے بعد باقاعدہ نشان لگائے گئے۔

حضرت عثمانؓ نے کمزور لوگوں کا خیال کرتے ہوئے تراویح کی رکعت میں دس آیات پڑھنے کا حکم دیا۔ اس طرح ماہِ رمضان میں ایک دَور مکمل ہوتا تھا۔

انڈیا آفس لائبریری میں عثمانی عہد کا جو قرآن موجود ہے، اس میں دس آیتوں کے بعد نشان ہے اور دوسو آیات کے بعد حاشیہ پر نشان ہے۔

بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آیات کی گنتی کو مدنظر رکھنے کی بجائے مضمون کو پیش نظر رکھا جائے اور جہاں مضمون مکمل ہو وہاں پر وقف کیا جائے۔ اس طرح قرآن کریم کے 540 رکوعات قائم ہوئے۔ اس طریق پر قرآن کریم بیس رکعات کی تراویح میں 27 رمضان کی رات ختم ہوجاتا تھا جو عام طور پر لیلۃ القدر خیال کی جاتی ہے۔ بعد کے علماء نے رکوع کا نشان ''ع'' مقرر کیا۔ اس کو رکوع اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ تلاوت کرنے کے بعد نمازی رکوع میں جاتا ہے۔

پارہ کا تصور بھی غالباً نماز تراویح کی وجہ سے پیدا ہوا اور ایک دن تراویح میں پڑھا جانے والا قرآن کریم کا حصہ ایک جزء قرار پایا۔ بعد میں ایک ماہ میں تلاوت قرآن کرنے کی غرض سے اسے باقاعدہ تیس حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس عمل کی بنیاد اس حدیث پر ہے جس میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو کو آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں جو قرآن لکھا وہ تیس جزو پر مشتمل تھا۔

تابعین کے دور میں ہر پارہ کا نام تجویز کیا گیا۔ مصر اور المغرب یعنی مراکش کے علماء کا دیگر علماء سے قرآن کریم کے جملہ حروف کی گنتی اور مضمون کے ختم ہونے میں اختلاف کی وجہ سے بعض پاروں کی ابتداء اور انتہاء میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ عرب ممالک اور المغرب میں شائع ہونے والے نسخوں اور برصغیر پاک و ہند میں شائع ہونے والے نسخوں کے بعض پاروں کی ابتداء اور انتہاء میں فرق ہے۔
مثلاً:

1۔ پاک و ہند میں ساتواں پارہ وَاِذَاسَمِعُوا سے شروع ہوتا ہے جبکہ مصر اور عرب ممالک میں ایک آیت پہلے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّالنَّاسِ سے شروع ہوتا ہے۔

2۔ پاک و ہند میں چودھواں پارہ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ سے اور مصر و عرب ممالک میں ایک آیت پہلے الٓرٰ سے شروع ہوتا ہے۔

3۔ پاک و ہند میں بیسواں پارہ اَمَّنْ خَلَقَ سے اور مصر و عرب ممالک میں تین آیات پہلے فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖ سے شروع ہوتا ہے۔

4۔ پاک و ہند میں اکیسواں پارہ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ سے اور مصر و عرب ممالک میں ایک آیت بعد وَلَاتُجَادِلُوا سے شروع ہوتا ہے۔

5۔ پاک و ہند میں تیئسواں پارہ وَمَالِیَ لَا اَعْبُدُ سے اور مصر و عرب ممالک میں چھ آیات بعد وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِہٖ سے شروع ہوتا ہے۔

6۔ پاک و ہند میں چھبیسواں پارہ حٰمٓ سے اور مصر و عرب ممالک میں وَبَدَالَھُمْ سے شروع ہوتا ہے۔

باقی پاروں میں اتفاق ہے۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع ہونے والے قرآن کریم کے نسخوں میں پاک و ہند میں رائج پاروں اور رموز و اوقاف وغیرہ کو اپنایا گیا ہے۔

ابتداء میں بعض صحابہؓ نے قرآن کریم کی رکوعات و پارہ میں تقسیم کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔ صحابہؓ کی تقلید پر بعض تابعین نے بھی اسے ناپسند کیا مگر بعد میں ان کے مستحب ہونے کے قائل ہوگئے۔

امام زرکشی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو پاروں میں تقسیم کرنے کا مقصد مدارس میں قرآن کی تعلیم دینے میں آسانی پیدا کرنا تھا۔

اعزاز

جماعت احمدیہ برطانیہ کے سابق امیر اور سابق صدر انصاراللہ برطانیہ مکرم و محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب کو ملکہ معظّمہ برطانیہ کی طرف سے 13 جون 2015ء کو KBE یعنی Knight Commander of the Excellent Order of the British Empire سے نوازا گیا ہے۔ یہ آرڈر آف دی برٹش ایمپائر کے ایوارڈز میں سے اعلیٰ ترین ایوارڈ ہے جس کے نتیجہ میں آپ کے نام کے ساتھ ''سر'' (Sir) کا خطاب استعمال کیا جائے گا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کو قبل ازیں 35 سے زیادہ ایوارڈز مل چکے ہیں جن میں OBE کے علاوہ، ایمبیسیڈر آف پیس، الفریڈ نوبل میڈل، پیس پرائز، ایمبیسیڈر آف نالج آکسفورڈ یونیورسٹی اور انٹرنیشنل ہیومن رائٹس سروسز کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک ایوارڈ بھی شامل ہے۔ آپ اس وقت انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ علاوہ ازیں آپ ڈائریکٹر ورلڈ میڈیا فورم، ڈائریکٹر طاہر فاؤنڈیشن، MTA بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن ہونے کے علاوہ دیگر مختلف خدمات کی توفیق پا رہے ہیں۔ آپ کو احمدی اسائیلم سیکرز اور ریفیوجیز کی خاص خدمت کے علاوہ مختلف ممالک میں پیس سمپوزیم کی تقاریب میں جماعت کی نمائندگی کرنے کا موقع بھی ملتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ ایوارڈ محترم سر افتخار احمد ایاز صاحب اور جماعت احمدیہ عالمگیر کے لئے بہت مبارک کرے۔ آمین

(عطاء المجیب راشد۔ مبلغ انچارج و امام مسجد فضل لندن)

اٹلی کے شہروں وینس اورٹورین کا دلچسپ سفر

(چوھدری محمد ابراھیم۔ لندن)

خاکسار ہر سال دو اڑہائی ماہ کے لئے اپنے بچوں کے پاس زیورک (سوئٹزرلینڈ) آتا ہے۔اس آمد کا زیادہ تر مقصد چھ ہفتے کا وقفِ عارضی ہوتا ہے مگر سیر کا پروگرام بھی بنا لیتے ہیں۔گزشتہ سالوں میں سوئٹزرلینڈ کے علاوہ جرمنی، بیلجیم، ہالینڈ اورفرانس وغیرہ کی سیر کر چکا ہوں۔امسال پروگرام بناتے ہوئے مجھے قریباً پچاس سال قبل کا پڑھا ہوا ایک افسانہ "The Merchant of Venice" یاد آیا۔یہ ایک کہانی تھی جو مدتوں پہلے وینس کے حوالہ سے پڑھی تھی اور اب مجھے موقع ملا تھا کہ مَیں جزیروں کے اس شہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔دوسرے یہ بھی کہ ٹورین شہر میں حضرت مسیح ناصریؑ کے محفوظ کفن کی زیارت بھی اُن دنوں کروائی جارہی تھی۔چنانچہ ہم براستہ سڑک اٹلی روانہ ہوگئے۔

سوئٹزرلینڈ کا تمام راستہ پہاڑی تھا۔جگہ جگہ پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بنائی گئی ہیں۔ایک سرنگ (Gotthard Tunnel) کی لمبائی 16943 میٹر (قریباً 17 فرلانگ) ہے۔ Tessin شہر سوئٹزرلینڈ کا آخری ریجن ہے۔وہاں سے اٹلی کے ایک بڑے شہر میلان میں سے ہوتے ہوئے ہم وینس پہنچے جسے مقامی زبان میں Venezia کہا جاتا ہے۔

وینس اٹلی کا ایک صوبہ ہے جو دس مختلف جزائر پر مشتمل ہے جن کا کل رقبہ 414.57 کلومیٹر ہے۔2009ء کی مردم شماری کے مطابق ان جزائر کی کل آبادی 2,70,660 افراد پر مشتمل ہے اور تاریخی شہر وینس کی کل آبادی ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔شہر کے اکثر گھروں کو کوئی سڑک نہیں لگتی۔ان کے دروازے سمندری پانی میں کھلتے ہیں۔گھروں کے آگے کاروں کی بجائے چھوٹی کشتیاں کھڑی ہیں جو دوسرے جزائر کو جانے اور اپنے گھر کا سودا سلف لانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔دنیا بھر سے بے شمار سیاح یہاں آتے ہیں جن کی رہائش کے لئے بے شمار گھر کرایہ پر دستیاب ہیں۔

ہمارا قیام لیڈو (Lido) جزیرہ میں واقع جس گھر میں تھا وہ دو کمروں، کچن، باتھ روم اور ڈائننگ روم پر مشتمل تھا۔کار کے لئے پارکنگ بھی موجود تھی۔ اس جزیرہ میں بسیں بھی چلتی ہیں اور دوسرے جزیروں پر جانے کے لئے بحری جہاز استعمال ہوتے ہیں جن پر کاریں اورٹرک وغیرہ بھی لاد لئے جاتے ہیں۔شہر میں ٹیکسی کے طور پر چھوٹی کشتیاں بھی موجود ہیں۔بعض کشتیاں ایمبولینس اور ڈاک لانے اور لے جانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔سودا سلف خریدنے کے لئے بڑے بڑے شاپنگ سینٹر اور دکانیں موجود ہیں۔ریسٹورنٹ عام ہیں۔

ہمیں وینس میں کئی ایشیائی ملے مگر اکثر غیر مسلم تھے۔ ایک بنگلہ دیشی نے ہوٹل بھی کھولا ہوا ہے۔وہ اردو جانتا تھا اور بڑے تپاک سے ملا۔پرائے دیس میں جا کر انسان کو طرح طرح کی اجنبیت سے پالا پڑتا ہے۔نئے لوگ، نئی زبان اور نیا ماحول۔عجیب قسم کا احساس محرومی پیدا ہوتا ہے۔ وینس کے سب معلوماتی بورڈ اور معلوماتی لٹریچر اٹیلین زبان میں ملتا ہے۔انگریزی بہت کم استعمال ہوتی ہے۔

یہاں کے چند قابل ذکر مقامات کا ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا۔

Doge کا محل اور میوزیم

یہاں کے حکمران کا یہ ایک پرانا اور وسیع وعریض محل ہے، جو غالباً رومن سلطنت کے 476ء میں زوال کے بعد Doge کی سلطنت قائم ہونے کے بعد بتدریج بنا۔اس کی تعمیر کا فیصلہ آزادی کے بعد ہوا تھا جو 810ء میں ملی تھی۔دسویں اور گیارہویں صدی میں یہ ایک پرانا قلعہ تھا جو ہوتے ہوتے محل کی صورت اختیار کر گیا۔اس محل میں بادشاہ کا رہائشی حصہ، پبلک دفاتر، عدالتیں، قید خانہ اور میوزیم شامل ہیں۔محل پرانا ہونے کے باوجود وسیع وعریض ہے۔جس میں رہائشی حصہ کے علاوہ پارلیمنٹ اور سینیٹ ہاؤسز ہیں۔دربار کے لئے الگ جگہ ہے جہاں حاکم اپنے وزراء اور مشیروں سے صلاح ومشورے کرتا تھا۔ساتھ میوزیم بھی ہے جہاں اس زمانے کے مشاہیر اور جنگ میں حصہ لینے والے سپاہیوں کے مجسمے بھی بنے ہوئے ہیں۔سامانِ حرب بھی رکھا گیا ہے۔بہت پرانے زمانہ کی ایک توپ بھی رکھی ہوئی ہے اور پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہتھیاروں میں جو تبدیلی آئی اُسے بھی محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایک قید خانہ بھی ہے جس میں سیاسی قیدیوں کے لئے علیحدہ کوٹھڑیاں بنائی گئی ہیں۔عام رہائش کے علاوہ زنان خانے بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ تعمیر کئے گئے ہیں۔تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ان کی چمک دمک میں فرق آتا گیا۔

وینس کا گرجا گھر

وینس کے تمام جزائر پر کئی گرجے بنائے گئے ہیں جن میں خوبصورتی اور صفائی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیھم السلام کی مورتیاں اور تصویریں تو ہر جگہ ملتی ہیں۔صلیب دینے کے مناظر بھی دکھائے گئے ہیں۔ڈیوٹی پر متعین عملہ نہایت شیریں زبان اور عزت کے ساتھ بات کرتا ہے۔

جزیرہ Lido کی پیدل بھی سیر کی اور بس میں بھی سفر کیا۔ دیگر یورپین ممالک کی طرح یہاں بھی بس میں اگر رش زیادہ ہو تو عمر رسیدہ افراد کو بخوشی سیٹ پیش کر دی جاتی ہے۔بحری جہازوں میں بھی یہی جذبہ نظر آتا۔تین دن اس جزیرہ پر قیام کے بعد چوتھے دن ہم ٹورین (Torin) کے لئے بذریعہ کار روانہ ہوئے اور اُسی روز وہاں سے واپس زیورخ پہنچے۔یہ ایک لمبا اور تھکا دینے والا سفر تھا۔

ٹورین میں کفنِ مسیح کی زیارت

ابھی ہم ٹورین کے لئے سفر میں ہی تھے کہ پتہ چلا کہ کفنِ مسیح کی زیارت کے لئے بکنگ کروانی پڑتی ہے اور وقت کی تعیّن ہوتی ہے چنانچہ فوری طور پر دورانِ سفر ہی اس کا انتظام کرنا پڑا۔جدید ایجادات کی بدولت یہ مرحلہ خوش اسلوبی سے چند منٹ میں طے ہوگیا اور زیارت کے لئے شام سوا پانچ بجے کا وقت بھی مل گیا۔رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ...... کی دعا پڑھتے ہوئے ٹورین شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر اگرچہ بڑا ہے مگر اتنا صاف ستھرا اور خوبصورت نہیں، پرانی طرز کی بڑی بڑی

سلیں لگا کر راستے بنائے گئے ہیں۔اس شہر کی اصل شہرت وہ گرجا گھر ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن محفوظ ہے۔کار پارک کر کے لمبا فاصلہ پیدل طے کر کے مقرّرہ مقام تک پہنچے۔زیارت کے لئے آنے والوں کا اژدہام تھا۔مخصوص سرخ رنگ کی وردی میں ملبوس اہلکار اپنے مخصوص انداز میں اٹالین زبان میں کچھ پڑھتے اور گنگناتے سنائی دے رہے تھے۔ان اہلکاروں کے پیچھے تیس چالیس زائرین کا گروپ ہوتا۔شامیانوں کے نیچے سے ہم قریباً دو گھنٹے تک قطار میں لگے رہے۔مرد اور خواتین سیکورٹی کے لئے موجود تھے۔

پہلے مرحلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفید کفن جس میں وہ لپٹے ہوئے تھے کی ویڈیو دکھائی جاتی تھی۔سر سے لے کر پاؤں تک مختلف حصے دکھائے گئے۔پھر کفن کسی قدر گلابی رنگ میں دکھایا گیا۔ایک عورت دھیمی آواز میں اٹالین زبان میں معلومات دے رہی تھی۔اس کفن کا اگلا حصہ خالی دکھایا گیا تھا کیونکہ عیسائی عقیدہ کے مطابق خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ کر کے اوپر آسمان پر اٹھالیا تھا۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف لطیف ''مسیح ہندوستان میں'' میں مسیح ناصری کے زندہ صلیب سے اتارے جانے اور کشمیر کی طرف ہجرت کرنے اور سری نگر محلّہ خانیار میں وفات پا کر دفن کئے جانے کی جو نشاندہی فرمائی ہے اُس نے عیسائی عقیدہ کا بطلان ثابت کر دکھایا ہے۔اب تو یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ کفن مسیح پر دکھائی دینے والا خون ایک زندہ شخص کا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عیسائی دنیا نے دو ہزار سال سے اس کفن کو محفوظ رکھا ہوا ہے اور اس کی زیارت بغیر کسی لالچ کے کروائی جارہی ہے۔

ایک ضروری گزارش

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مجلس انصاراللہ کا قیام 1940ء میں فرمایا تھا جبکہ ایک تحقیق کے مطابق برطانیہ میں اس کا قیام 1971ء میں عمل میں آیا تھا۔خدا تعالیٰ کے فضل سے برطانیہ میں اس وقت ایسے متعدد ایسے احباب موجود ہیں جو گزشتہ ادوار میں مجلس کے امور سے براہ راست منسلک رہ کر خدمت کی توفیق پاتے رہے ہیں۔ میری درخواست ہے کہ ایسے تمام احباب اپنی یادداشت میں محفوظ تمام متعلقہ امور تحریری طور پر خاکسار کو بھجوادیں۔چونکہ یہ کام فوری نوعیت کا ہے اس لئے اگر آپ اپنی یادداشتیں ارسال کرنا چاہتے ہیں تو کم از کم خاکسار کو اطلاع ضرور دیدیں۔براہ کرم،تمام ایسے اعزازات،سندات یا خلیفۂ وقت کے خطوط کی نقول بھی منسلک فرمائیں جن کا تعلق مجلس انصاراللہ برطانیہ کی کارگزاری سے ہو۔اس حوالہ سے اگر مزید راہنمائی یا مدد کی ضرورت ہو تو خاکسار سے براہ راست یا مکرم محمود احمد ملک صاحب (مدیر ''انصارالدین'') سے فون نمبر 079-47408144 پر رابطہ فرمالیں۔جزاکم اللہ احسن الجزاء

''انصارالدین'' کے آئندہ شماروں میں اب تک مرتب کی جانے والی تاریخ کے چنیدہ احباب قارئین کے افادہ کے لئے پیش کئے جائیں گے۔

(چودھری وسیم احمد۔صدر مجلس انصاراللہ برطانیہ)

تعلیمی پرچہ جات میں اعلیٰ کامیابی

شعبہ تعلیم مجلس انصاراللہ برطانیہ کی طرف سے تعلیمی پرچہ تمام انصار کو بھجوایا جاتا ہے۔انصار یہ پرچہ حل کرنے کے بعد اپنے زعیم مجلس کے توسط سے مرکز میں بھجواتے ہیں۔حوصلہ افزائی کے لئے ذیل میں ایسے انصار بھائیوں کے نام (مع اسماء مجالس) درج کئے جارہے ہیں جنہوں نے تعلیمی پرچہ نمبر 1 (2015ء) میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ یہ اعزاز بابرکت فرمائے۔

ٹوٹنگ: دین محمد صاحب۔سرفراز احمد صاحب۔عبدالماجد صاحب۔نوید احمد ناگی صاحب۔محمد اقبال گوندل صاحب۔ناصر احمد صاحب۔میر حامد یوسف صاحب۔محمد اقبال شمس صاحب۔عامر سلیم صدیقی صاحب۔عبدالشکور خان صاحب۔امیر عالم صاحب۔محمد رفیق صاحب۔انیس احمد صاحب۔شیخ بشیر الدین صاحب۔ملک رحیم بخش صاحب۔فیاض احمد صاحب۔محمد قاسم صاحب۔ظفر محمود نور صاحب۔چوہدری منور احمد آصف صاحب۔محمد خان مجوکہ صاحب۔محمد انور صاحب۔شاہد احمد صاحب۔وسیم احمد صاحب۔شکیل احمد سید صاحب۔طاہر محمود گوندل صاحب۔

مسجد فضل: محمود احمد خان صاحب۔ظفر احمد صاحب۔اظہر احمد شاہ صاحب۔مبشر احمد صاحب۔منصور احمد ابرار صاحب۔نصیر الدین ہمایوں صاحب۔عبدالسمیع خان صاحب۔فرید احمد صاحب۔شفیق احمد صاحب۔فضل احمد صاحب۔عرفان شہزاد صاحب۔بشیر احمد ملک صاحب۔عبدالوحید صاحب۔نصیر احمد سعید صاحب۔بشیر احمد کھوکھر صاحب۔نعیم احمد رضا صاحب۔مظفر احمد صاحب۔بشیر احمد بٹ صاحب۔غلام قادر صاحب۔غلام مصطفیٰ صاحب۔نصیر احمد باجوہ صاحب۔نصیر احمد صاحب۔محمد طارق صفدر صاحب۔محمد اقبال خان صاحب۔رانا وسیم احمد صاحب۔عبدالتوحید صاحب۔شاہد محمود صاحب۔مبشر احمد چوہدری صاحب۔عطاء الکریم شاہد صاحب۔عمر رسول صاحب۔شریف احمد صاحب۔مظفر احمد صاحب۔محمد احمد صاحب۔اجمل پاشا صاحب۔مبشر احمد صاحب۔آغا عبدالکریم عابد صاحب۔اکرم نجمی صاحب۔محمود خان صاحب۔محمد وجیہ الرحمٰن صاحب۔عبدالقدوس صاحب۔اقبال احمد صاحب۔ظہیر احمد صاحب۔نوید احمد قریشی صاحب۔مرزا نصیر احمد صاحب۔بشیر احمد طاہر صاحب۔خیر محمد پاشا صاحب۔محمد محسن اعوان صاحب۔اوغیو گونیلا صاحب۔محمد احمد صاحب۔شکیل احمد صاحب۔

بارکنگ اینڈ ڈیگنہم: اعجاز احمد گورایہ صاحب۔راجا شاہد غالب صاحب۔راجا غالب احمد صاحب۔حنیف احمد سنوری صاحب۔عامر عظیم صاحب۔صباح الدین نجم صاحب۔طاہر ممتاز صاحب۔ایاز مسعود شیخ صاحب۔نبی احمد چوہدری صاحب۔شاہد احمد صاحب۔عرفان احمد گورایا صاحب۔مرزا مجیب احمد صاحب۔مبارک احمد صاحب۔مرزا مبشر صاحب۔

ہڈرز فیلڈ ساؤتھ: منیر گھمن صاحب۔طاہر ورک صاحب۔سید قمر صاحب۔عبدالشکور صاحب۔فاروق صدیق صاحب۔مجید طارق صاحب۔عبدالسمیع صاحب۔محمد صدیق صاحب۔رفیق آفتاب صاحب۔رانا فاروق صاحب۔شیخ افتخار صاحب۔محمد عمر صاحب۔

وانڈزورتھ: آصف احمد صاحب۔بدر احمد صاحب۔منظور الحق شمس صاحب۔مشہود گلزار صاحب۔محمد رفیق بھٹی صاحب۔سعید احمد شامی صاحب۔سعید احمد بھٹی صاحب۔

پریسٹن: پیرداؤد احمد صاحب۔

ہمارے خاندان میں احمدیت کا نفوذ

اکثر خاندانوں میں احمدیت کے نفوذ کی ایمان افروز داستانیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں اور ان کا تذکرہ پڑھنے اور سننے والوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بنتا ہے۔اس طرح سے اُن بزرگوں کے ذکرِخیر کا موقع بھی ملتا ہے جنہوں نے احمدیت کی آغوش میں آکر نہایت جوانمردی، ثابت قدمی اور استقلال سے ہر قسم کے ابتلا کو برداشت کیا اور الٰہی نصرت کے نظاروں پر گواہ ٹھہرے۔ذیل میں ایک ایسا ہی مضمون پیش ہے۔

مکرم بشارت احمد صاحب (کارکن جامعہ احمدیہ یوکے) نے مکرم خادم حسین صاحب (آف لاثانی ٹریڈرز) کی زبانی بیان کردہ درج ذیل واقعہ لکھ کر بھجوایا ہے۔

میرے ابّاجی چوہدری باغ علی صاحب ولد چوہدری وزیر علی صاحب سانده چستانہ قصور کے رہائشی تھے اور اپنے گھرانہ میں اکیلے ہی معمولی پڑھے لکھے تھے۔نیز دینی عُلوم میں بھی دلچسپی تھی۔آپ کے چھ ماموں تھے جن میں سے ایک مکرم چوہدری فتح دین صاحب احمدی ہوگئے تھے جبکہ دیگر پانچ بڑے نامی گرامی ڈاکو تھے۔اپنے بھائیوں میں محترم چوہدری فتح دین صاحب ہی کچھ پڑھے لکھے تھے اور اسی لئے چاہتے تھے کہ اُن کا بھانجا باغ علی بھی احمدی ہو جائے۔خود بھی وہ بہت نیک اور دُعاگو تھے اور اُن کا طریقہ تبلیغ بھی بہت پیارا تھا۔چنانچہ انہوں نے قریبی گاؤں سے حضرت مولوی محمد اسحاق صاحبؓ آف کھرپیڑ کو ساتھ ملا لیا اور ابا جان کو تبلیغ شروع کردی۔اباجان اپنے دلائل کے ساتھ بحث میں مقابلہ کرتے لیکن جب دلائل ختم ہو جاتے تو مزید دلائل اکٹھے کرنے اپنے مولویوں کے پاس چلے جاتے۔ چونکہ سعید فطرت تھے اس لئے آخرکار احمدیت کی آغوش میں آگئے اور 1953ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کرلی۔

اباجان اپنے گاؤں کے معززین میں سے تھے۔جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی امامت کرتے جن میں قریبی دیہات سے بھی لوگ آکر شامل ہوتے۔احمدیت قبول کرنے کے بعد مخالفت شروع ہوگئی۔اباجان زمیندار تھے۔اِن کو بھائیوں نے زمین وہ دی جس کو کبھی پانی نہیں لگتا تھا۔اگر کبھی فصل ہو بھی جاتی تو مخالفین جانور چھوڑ کر اُجاڑ دیتے۔اِن کے ملازموں کو ڈرا دھمکا کر بھگا دیا جاتا۔شادی بھی ختم کرادی گئی۔پھر آپ کی دوسری شادی اپنے ماموں کی بیٹی یعنی خاکسار کی والدہ عشرہ بی بی صاحبہ (بنت محترم چوہدری فتح دین صاحب) کے ساتھ ہوئی جو کہ پیدائشی احمدی تھیں۔لیکن لمبا عرصہ ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو اکثر رشتہ دار کہنے لگے کہ ''باغ علی بددُعایا گیا ہے اسی لئے اولاد نہیں ہو رہی''۔

1974ء میں میرے تایازاد لوگوں کو جا جا کر کہتے تھے کہ ان کے گھر کو لُوٹ لو کیونکہ یہ بے دِین ہوگیا ہے۔اس کے بعد حالات ایسے ہوگئے کہ ہمیں تین تین دِن صرف ساگ کھا کر گزارا کرنا پڑتا۔ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں۔1982ء میں ہماری والدہ صاحبہ اچانک بیمار ہو کر وفات پا گئیں تو تین دن تک گاؤں کے قبرستان میں تدفین نہیں کرنے دی گئی۔ ہمارے رشتہ دار کہتے تھے کہ اگر آج یہ سیدھے ہوگئے تو ہوگئے، ورنہ کبھی احمدیت کو نہیں چھوڑیں گے۔آخرکار اباجان ہم بچوں کے ہمراہ ہجرت کر کے نور پور مجلس جوڑہ آگئے اور وہاں فضل عمر بُک ڈِپو بنالیا۔پھر طاہر جنرل سٹور بنایا۔1994ء میں 13 رمضان المبارک کو اباجان کی وفات ہوگئی۔

احمدیت نے ہمیں کیا عطا کیا!۔

کسی زمانہ میں ہمیں ساگ کے علاوہ کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا۔اگر ہم کسی سے دَس روپے اُدھار مانگتے تھے تو وہ یہ سوچ کر نہیں دیتا تھا کہ یہ واپس کہاں سے کریں گے۔لیکن آج اُس ''بددُعائے، بے دِین شخص'' کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فضل ہیں جو گننے بھی مشکل ہیں۔اللہ کے فضل سے چاروں بیٹے موصی ہیں اور کسی نہ کسی رنگ میں دینی خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔سب صاحبِ اولاد اور اعلیٰ کاروباری ہیں۔اس وقت ربوہ میں لاثانی نام کے تمام کاروبار اسی خاندان کے ہیں۔تیسری نسل میں سے کئی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

خاکسار کے ایک تایازاد محمد رفیق جو کہ گاؤں میں چوہدری ہیں، ایک روز مجھے کہنے لگے کہ اب تم کمانے لگ گئے ہو تو تمہارے گھر کی حالت کُچھ اچھی ہوگئی ہے۔ چچا جب فوت ہوئے تھے تو کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔مَیں نے جواب دیا کہ میرے والد صاحب ہمیں جو دے کر گئے ہیں، آپ کے ابا اگر دس زندگیاں بھی یہاں گزار دیں تو تم لوگوں کو اتنا کچھ نہیں دے سکتے۔پوچھنے لگا کہ وہ کیا ایسا کچھ دے گئے ہیں؟ خاکسار نے کہا کہ مَیں ایک واقعہ سناتا ہوں اور تمہیں اس سے پتہ چل جائے گا۔مَیں نے اُسے بتایا کہ مَیں لندن میں تھا۔مجھے کچھ رقم کی ضرورت تھی۔مَیں نے مکرم نیشنل امیر صاحب کو درخواست لکھی کہ اس سلسلہ میں خاکسار کی مدد کی جائے۔تو مجھے 500 پاؤنڈ قرضِ حسنہ دیا گیا جسے ایک سو پاؤنڈ ماہوار کی قسط بنا کر پانچ ماہ میں واپس کرنا تھا۔مَیں نے رقم لے کر اپنی ضرورت پوری کی اور آسانی سے رقم واپس بھی کردی۔مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے ابا دنیا سے جاتے ہوئے 200 ممالک میں میرا اکاؤنٹ کھلوا گئے ہیں۔کیا تمہارے گاؤں کے باہر بھی تمہیں کوئی شخص جانتا ہے؟!

محترم چوہدری فتح دین صاحب بہت دعاگو اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ایک روز گاؤں کے ڈیرہ میں گاؤں والوں کے ساتھ اُن کا معاہدہ ہوا کہ گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔قریب قریب کہیں پانی نہیں رہا، کنویں بھی خشک ہوتے جا رہے ہیں۔اگر مرزا (صاحب) قادیانی سچّا ہے تو ایک منتخب دن (ساون کی 5 تاریخ کو) بارش ہوجائے تو پورا گاؤں مرزا (صاحب) کو سچّا مان کر بیعت کر لے گا ورنہ تُو بھی مرزا (صاحب) کو چھوڑ دینا۔

ساون کی پانچ تاریخ آئی تو سخت گرمی تھی اور بادل کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا۔لوگ گھنے بوڑھ کے درخت کے نیچے ڈیرہ لگائے بیٹھے تھے اور چوہدری فتح دین صاحب کا مذاق اُڑا رہے تھے۔اس پر آپ یہ کہہ کر ایک جانب کو چلے گئے کہ مَیں اپنے خدا کو کہتا ہوں۔

تھوڑی ہی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔آپ جب بوڑھ کے درخت کے نیچے آئے تو کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔تو بھاگ بھاگ کر بارش میں لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتے رہے اور خدا کے اس نشان کا تذکرہ کرتے رہے لیکن بدقسمتی سے پورے گاؤں میں سے کسی ایک شخص کو بھی بیعت کی توفیق عطا نہ ہوئی۔

بعد میں میری والدہ صاحبہ نے اپنے ابّا جی سے اس نشان کے حوالہ سے پوچھا

کہ بابا! تُو نے اللہ میاں کو کیا کہا تھا؟

بابا جی کہنے لگے،مَیں نے تو صرف یہی کہا تھا کہ اے اللہ! اگر لوگ یہ کہیں گے کہ فتح دین جھوٹا ہے تو کیا ہوگا۔ پر جب یہ کہیں گے کہ فتح دین نے جھوٹے مسیح (نعوذ باللہ) کی بیعت کی ہے تو دیکھوں گا تیری غیرت بھلا کیسے گوارا کرتی ہے!۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کو اِس کے علاوہ مَیں نے کچھ بھی نہیں کہا۔

بیعت کے بعد ابا جان کا حضرت مولوی محمد اسحاق صاحبؓ آف کھر پیڑ کے ساتھ مستقل تعلق قائم ہو گیا تھا۔ وہ بھی انتہائی پاک اور خدارسیدہ وجود تھے۔ 1974ء میں اُن کی وفات ہوئی۔ تب میری عمر صرف دس سال تھی۔ مولوی صاحبؓ اکثر ہمارے ہاں آیا کرتے تھے اور اگر کسی اَور جگہ بھی جارہے ہوں اور خواہ تھوڑے سے وقت کے لئے ٹھہر سکیں لیکن ابا جان سے ضرور مل کر جاتے تھے۔ ایک دِن علی الصبح آئے اور ابا جان سے کہنے لگے کہ باغ علی! میرا اَب دنیا سے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ فرشتے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ مَیں اُن سے اپنی بیٹیوں سے (جن میں سے ایک قصور شہر میں اور دوسری ایک قریبی گاؤں میں بیاہی ہوئی ہے) آخری ملاقات کر لینے کی اجازت لے کر آیا ہوں اور اُن سے ملنے جا رہا ہوں۔ مَیں اپنی بیوی کو تین صد روپے دے کر آیا ہوں جو میری میّت کو ربوہ پہنچانے کے لئے ٹرک کا کرایہ ہے۔

ابا جان کہتے تھے کہ مولوی صاحبؓ کی باتیں سن کر مَیں سوچنے لگ گیا کہ مولوی صاحب کی عمر کافی ہوگئی ہے اس لئے شاید اُن کا دماغ اب کنٹرول میں نہیں رہا۔ بہرحال مولوی صاحبؓ یہ باتیں کہہ کر چلے گئے۔ اُسی دِن عصر کا وقت تھا کہ مولوی صاحب قصور سے واپس آتے ہوئے دوبارہ ہمارے ہاں آ گئے اور کہنے لگے کہ مَیں شہر والی بیٹی سے مل آیا ہوں لیکن جب قصور سٹیل باغ سے دوسری بیٹی کے گاؤں جانے لگا تو فرشتوں نے روک دیا اور کہنے لگے کہ اپنے گھر چلو، ہم تمہارے نوکر نہیں ہیں۔ ہم اپنی ڈیوٹی پوری کریں اور جائیں۔ ہم تو تمہاری اُن دعاؤں کے صدقے مہلت دے رہے ہیں جو تم روزانہ تہجد کی نماز میں کرتے تھے کہ اے اللہ! مَیں تبلیغ کے سلسلہ میں اکثر گھر سے باہر رہتا ہوں، مجھے موت گھر میں آئے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کو پریشانی ہو۔

پھر مولوی صاحبؓ میرے ابا جان سے یوں گویا ہوئے: تو باغ علی! میری (گاؤں والی) بیٹی کو کہنا کہ اگر فرشتے مجھے اجازت دیتے تو مَیں آخری دفعہ ضرور تجھ کو ملنے آتا لیکن اب گھر واپس جارہا ہوں۔

ابا جان کہتے تھے کہ پھر بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ حضرت مولوی صاحبؓ کی وفات کا وقت آچکا ہے۔ بلکہ یہی خیال آیا کہ چونکہ مولوی صاحبؓ کی عمر واقعی زیادہ ہوگئی ہے اسی لئے ایسی ویسی باتیں کر رہے ہیں۔ بہرحال اس کے بعد حضرت مولوی صاحب چلے گئے۔ لیکن ابھی مَیں نمازِ مغرب کی تیاری میں ہی تھا تو ایک لڑکا سائیکل پر آیا اور مجھے کہنے لگا کہ حضرت مولوی صاحبؓ فوت ہو گئے ہیں اور مَیں کھر پیڑ سے آپ کو بتانے کے لئے آیا ہوں۔ یہ بات سُننا تھی کہ سب کچھ ذہن میں آنا شروع ہو گیا۔ مَیں کھر پیڑ کی طرف چلتا جاتا تھا اور تمام واقعات میرے ذہن میں گردش کرتے جاتے تھے کہ ہم ہی نہیں سمجھ پائے، ورنہ مولوی صاحبؓ کا تو بارگاہِ الٰہی میں مکمل رابطہ تھا۔

جب میں حضرت مولوی صاحبؓ کے گھر پہنچا تو بی بی صاحبہ نے بتایا کہ آج صبح مولوی صاحب نے تین صد روپے مجھے پکڑائے اور کہنے لگے کہ میری میّت کو ربوہ پہنچانے کے لئے یہ ٹرک کا کرایہ ہے۔ اور وصیّت سمیت دینا لینا کسی کا نہیں، یہ کفن ہے۔ اور مَیں بیٹیوں سے مل کر آتا ہوں۔

حضرت مولوی صاحبؓ کی اہلیہ نے بتایا کہ مَیں نے اُن کی باتیں سُن کر کہا کہ آج پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن پھر جب شام کو واپس گھر آئے ہیں تو بستر کے ساتھ ٹیک لگائی اور مجھے کہنے لگے کہ میرے لئے چائے بنا دو اور راستہ چھوڑ دو۔ (راستہ چھوڑ نا بھی وفات کے بعد ہی سمجھ میں آیا کہ کس کے لئے تھا)۔

وہ بتانے لگیں کہ مَیں چائے رکھ کر واپس آئی تو مولوی صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

بے شمار لوگوں نے حضرت مولوی صاحبؓ کے خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق کے واقعات بیان کئے ہیں۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ نے ایک واقعہ خود یہ بیان کیا کہ جب دونوں بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچیں تو مَیں اکثر مولوی صاحب کو کہا کرتی تھی کہ ان کے بارے میں کبھی سوچا کرو۔ آپؓ پندرہ پندرہ، بیس بیس دِن گھر نہیں آتے۔ تبلیغ پر جاتے ہیں تو آپ کو گھر کی فکر ہی نہیں رہتی۔ پھر ایک روز مولوی صاحبؓ گھر میں تھے تو مَیں نے یہی باتیں کر کے رونا شروع کر دیا تو آپؓ کہنے لگے: اچھا! مَیں بندو بست کرتا ہوں اور چلے گئے۔ پھر واپس آئے تو مجھے کچھ پیسے پکڑائے اور کہنے لگے کہ کچھ لوگ آئیں گے۔

کچھ دِنوں بعد کچھ لوگ آئے اور دونوں بچیوں کے رشتے ہو گئے۔ پھر مَیں نے حضرت مولوی صاحبؓ سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا تو فرمانے لگے کہ مَیں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ اے میرے خدا! تیری جوان بیٹیاں ہوں، غریبی نے صرف تیرا ہی گھر دیکھ رکھا ہو، پگڑی تیری گرنے کا ہر وقت خطرہ ہو، رشتہ کوئی تجھ سے نہ پوچھے، نزدیک تجھے کوئی بیٹھنے نہ دے تو پھر مَیں دیکھوں کہ تُو اُس دنیا میں کس طرح جی سکتا ہے۔ اسی لئے تُو اکیلا ہے، نہ کوئی تیرا شریک ہے، پریشانی تجھے کوئی نہیں......سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ تُو کسی کا جواب دِہ نہیں ہے۔

مولوی صاحبؓ نے فرمایا کہ ابھی مَیں نے سجدہ میں دعا کر کے سَر اُٹھایا ہی تھا کہ مجھے آہٹ سنائی دی۔ مَیں نے سلام پھیرنے کے بعد دیکھا تو ایک آدمی نے مجھے کچھ رقم پکڑائی۔ گنے تو ست ولیاں روپیہ تھا (یعنی ایک صد چالیس روپے)۔ پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور میں اُس شخص کو جانتا بھی نہیں تھا۔ اُس سے نہ کبھی پہلے اور نہ بعد میں کبھی کوئی ملاقات ہوئی۔

پھر ابھی اُسی پوزیشن میں یعنی التحیات میں ہی بیٹھا تھا کہ ایک اَور شخص آیا اور اُس نے مجھے ساٹھ روپے دیئے۔ پھر ایک اَور شخص آیا اور کچھ پیسے اُس نے بھی دیئے۔ مَیں ان تینوں کو ہی نہیں جانتا تھا۔ مَیں نے یہ پیسے لاکر اپنی بیوی کو دے دیئے جن سے دونوں بیٹیوں کا جہیز بن گیا اور اللہ کے فضل سے اپنے اپنے گھر رخصت بھی ہو گئیں۔

نوٹ: اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف
''انصار ڈائجسٹ'' کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں
تو براہ کرم درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں:
079-47 408 144

تعارف کتاب

''شمعِ فروزاں''

(از قلم: فرخ سلطان محمود)

ضلع گورداسپور کے قصبہ بیّہ ہالی میں حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ مدرّس ایک معروف متدیّن عالم اور حاذق طبیب تھے جوگرد و نواح میں بھی بہت عزّت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے قبل ہی حضورؑ کی تحریرات کے مطالعہ کے نتیجہ میں حضورؑ کے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور روحانیت سے متأثر ہو چکے تھے۔ آپؓ نے حضرتِ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور 1905ء میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ قصبہ میں آپؓ کی سخت مخالفت ہوئی جس میں پیش پیش وہاں کی مسجد کے پیش امام مولوی رحیم بخش صاحب تھے جو آخر دَم تک احمدیت کے سخت مخالف اور ہدایت سے محروم رہے۔ لیکن ان کے دو بیٹے محترم منشی سبحان علی صاحب (پیدائش 1903ء) اور محترم منشی رمضان علی صاحب (پیدائش 1904ء) کو 1923ء میں قبول احمدیت کی توفیق عطا ہوئی۔ اس سعادت کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ ان بھائیوں کی بہن محترمہ زینب بی بی صاحبہ کی شادی محترم میاں چراغدین صاحب آف سیکھواں سے ہوئی تھی جو بعد میں احمدی ہوکر قادیان آبسے اور وہاں ایک ہوٹل کھول لیا۔ 1923ء میں ایک دن محترم منشی سبحان علی صاحب اپنی ہمشیرہ سے ملنے قادیان گئے تو اُس دن وہاں مخالفین کا بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا۔ آپ بھی جلسہ میں چلے گئے۔ غالباً کسی بیّہ ہالی سے آئے ہوئے شخص نے آپ کو قادیان میں دیکھ کر بیّہ ہالی پیغام بھجوادیا کہ سبحان علی تو قادیانی ہوگیا ہے۔ اس خبر سے سبھی سیخ پا ہوگئے اور آپ کے بھائی محترم منشی رمضان علی صاحب غصّہ میں اپنے بھائی کی خبر لینے اُسی وقت قادیان روانہ ہوگئے۔ بہن کے ہاں پہنچے اور بھائی سے کہا: سنا ہے تم قادیانی ہوگئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، اور غیراحمدی علماء کی جلسہ میں دھواں دار تقاریر کا حال بتایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ رات کو احمدیوں کا بھی جلسہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ دونوں بھائی رات کو احمدیوں کے جلسہ میں بھی شامل ہوئے جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خطاب فرمایا اور مخالف علماء کی تقاریر میں اٹھائے گئے سوالات کے قرآن اور حدیث کی روشنی میں کافی وشافی دلائل کے ساتھ اطمینان بخش جواب دیئے۔ جلسہ کے بعد ان دونوں بھائیوں سمیت 36 سامعین نے حضورؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

اگلے روز دونوں بھائی واپس بیّہ ہالی آگئے۔ گھر میں پتہ چل گیا کہ دونوں بیٹے قادیانی ہوگئے ہیں تو ایک کہرام مچ گیا۔ شدید ڈانٹ ڈپٹ ہوئی۔ دونوں کے سسرال والوں کو بھی خبر ہوئی تو وہ آکر اپنی بیٹیوں کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ جب تک لڑکے قادیانیت سے تائب نہیں ہوجاتے ہم لڑکیوں کو واپس نہیں بھیجیں گے۔ پھر دونوں بھائی ہجرت کرکے قادیان آگئے۔ پھر بہنوئی کی کوششوں سے دونوں بھائیوں کی بیویاں اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اپنے خاوندوں کے پاس قادیان آگئیں۔

بعد میں محترم منشی سبحان علی صاحب نے کچھ عرصہ کے لئے ملتان میں بطور مدرّس کام کیا۔ وہیں ایک بیٹے (محترم عبدالسلام ظافر صاحب) کی پیدائش 27 جون 1929ء کو ہوئی۔ بیٹا ابھی چھ ماہ کا تھا کہ محترم منشی صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا اور بچہ کی پرورش اُس کے چچا محترم منشی رمضان علی صاحب اور اُن کی اہلیہ محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ نے کی جن کی اُس وقت اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ بعد میں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ وہ قادیان کے دفاتر میں ہی ملازم تھے۔ پھر منشی سبحان علی صاحب نے بھی خوشنویسی کا فن سیکھ کر اخبار الفضل میں بطور کاتب خدمت شروع کردی۔ اُن کی دوسری شادی محترمہ رشیدہ بیگم صاحبہ سے ہوئی جن سے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے۔ 1943ء میں منشی صاحب کا تقرّر بشیرآباد اسٹیٹ سندھ میں زمینوں کی نگرانی اور حساب کتاب رکھنے کے لئے ہوا۔ وہاں چند ماہ بعد ان کی اہلیہ صرف 29 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ وہیں تدفین ہوئی اور بوجہ موصیہ ہونے کے کتبہ بہشتی مقبرہ قادیان میں لگادیا گیا۔ پھر منشی صاحب اپنے بچوں کے ہمراہ دوبارہ قادیان آبسے۔

محترم میاں سبحان علی صاحب کی وفات 13 اپریل 1958ء کو بعمر 54 سال ربوہ میں ہوئی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ انہوں نے قریباً ایک سال سینے کے کینسر کی وجہ سے شدید تکلیف بڑے حوصلہ سے برداشت کی اور کبھی کوئی لفظ ناامیدی کا زبان سے نہیں نکالا۔ بچوں کی تربیت پر خاص توجہ دیتے۔ طبیعت میں سادگی اور متانت تھی۔ کم گو تھے۔ الفضل میں کتابت کے علاوہ پروف ریڈر کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ نہایت مخلص متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ 1953ء کے فسادات میں الفضل اخبار پر پابندی لگ گئی تو اخبار کا عملہ کراچی کے رسالہ ''المصلح'' میں منتقل کردیا گیا۔ وہاں ایک دوست نے (جو والی بال کے قومی کھلاڑی تھے) ان کو لاہور جانے کے لئے ریلوے ٹکٹ دیا اور بتایا کہ وہ ہر سال والی بال کے کھلاڑیوں کے لئے دو تین ٹکٹ مفت لے سکتے ہیں۔ آپ نے ٹکٹ لینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں کھلاڑی نہیں ہوں اور ٹکٹ کا حقدار نہیں ہوں۔

محترم عبدالسلام ظافر صاحب کو پرائمری پاس کرنے کے بعد 1942ء میں مدرسہ احمدیہ میں داخل کروادیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور اور چنیوٹ سے ہوتا ہوا یہ ادارہ احمدنگر میں آگیا۔ جون 1948ء میں چند ماہ کے لئے ظافر صاحب نے فرقان فورس میں خدمت سرانجام دی اور پھر دوبارہ احمدنگر جامعہ میں آگئے لیکن مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنے والد محترم کے پاس لاہور آکر یونیورسٹی اورینٹل کالج میں داخل ہوگئے۔ یہاں مولوی فاضل کے امتحان میں کالج میں دوسری اور یونیورسٹی میں پانچویں پوزیشن حاصل کی۔ پھر ضلع منٹگمری (ساہیوال) کے سکولوں میں تدریس شروع کردی۔ اور دورانِ ملازمت ہی پرائیویٹ طور پر میٹرک اور F.A. کرلیا۔ شارٹ ہینڈ اور ٹائپنگ بھی سیکھ لی۔ ساہیوال کے قائد ضلع بھی رہے۔

1960ء میں آپ کی شادی محترمہ امۃ الحمید صاحبہ بنت محترم میاں عبدالرحیم صاحب درویش قادیان کے ساتھ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔

ظافر صاحب کچھ عرصہ اوکاڑہ رہ کر پھر لاہور منتقل ہوگئے اور 1964ء میں B.A. کرکے سٹینوٹائپسٹ ملازم ہوگئے۔ پھر 1967ء میں M.A. (عربی) کرنے کے علاوہ M.O.L. (ماسٹر آف اورینٹل لرننگ) کا ایوارڈ بھی حاصل کیا۔ 1971ء میں احمدیہ سکول جورو (سیرالیون) میں استاد مقرر ہوئے۔ سیرالیون میں اپنے پچیس سالہ قیام کے دوران آپ کو مختلف سکولوں میں گرانقدر خدمات کی توفیق ملی۔ فری ٹاؤن میں تین مساجد کی تعمیر کی نگرانی کا بھی موقع ملا۔ 1995ء میں پاکستان آئے اور دو سال وکالت تبشیر میں متعین رہے۔ پھر نصرت جہاں اکیڈمی کے گرلز سیکشن میں طالبات کو پڑھایا۔ 2004ء میں آپ لندن آگئے اور ایک سال وقف عارضی کی توفیق پائی۔ جب جامعہ احمدیہ یوکے کا اجراء ہوا تو اس کے سٹاف میں آپ شامل ہوگئے اور بعدازاں پرنسپل مقرر ہوئے۔ جلسہ سالانہ سیرالیون 2005ء میں خلیفۂ وقت کے نمائندگی کی توفیق ملی۔ عمرہ اور حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔ آپ کی کتاب ''شمعِ فروزاں'' ایک خودنوشت سوانح حیات (Auto Biography) کے علاوہ مجموعۂ کلام بھی ہے۔ رنگین خوبصورت سرورق اور اندرونی صفحات میں متعدد تصاویر کے ساتھ سوا دوصد صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مصنّف نے اپنے خاندان اور ذاتی زندگی کے مختلف پہلو دلچسپ انداز میں پیش کئے ہیں نیز اپنی ستّر سے زائد منتخب نظموں کو اُن کے پس منظر کے ساتھ شامل کیا ہے۔ تحریر کا اندازِ بیان سادہ مگر پُرلطف ہے۔ واقعات قاری کے دل میں بھی ایمانی حرارت کی شمع روشن کردیتے ہیں کیونکہ یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جس کی زندگی کی

ابتداء نہایت دشوار حالات میں ہوئی اور اس کی عملی زندگی کا آغاز بھی یوں ہوا کہ منزل کی طرف بڑھنے والا ہر قدم محنت شاقہ، عزم صمیم اور توکّل کی حلاوت سے عبارت ہے۔

مکرم ظافر صاحب نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز کو کسی تصنّع یا ملمّع کاری کے بغیر، اس انداز سے بیان کیا ہے کہ قاری بھی کئی پہلوؤں سے استفادہ کر سکتا ہے۔

آپ کے منظوم کلام نے آغاز سے ہی سخنوروں سے داد سمیٹی۔ حضور انور ایدہ اللہ نے ایک موقع پر آپ کو بڑا شاعر قرار دیا۔ آپ کے کلام میں سلاست، سادگی اور روانی نمایاں ہے۔ یہ دراصل بے ساختگی سے جذبات کا اظہار ہے اور اسی لئے تصنّع اور بناوٹ عنقا نظر آتی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

حمد ساری اُسی کو زیبا ہے
جو ہے پروردگار سب جہانوں کا
وہی بِن مانگے سب کو دیتا ہے
وہی داتا ہے بے زبانوں کا
وہی روزِ حساب کا مالک
وہی حاکم ہے حکمرانوں کا
ایسی روشن صفات کے مالک
تُو ہی ملجا ہے ناتوانوں کا

داہنے ہاتھ میں اک آتشیں نامہ لے کر
وہی فاران کی چوٹی سے نمودار ہوا
خود خدا واحد و قہّار ہوا اس کی زباں
جب کہیں بھی وہ کبھی مائلِ گفتار ہوا
رحمتیں اے شہِ لولاک ہزاروں تم پر
تیرے دَم ہی سے تو رنگین یہ گلزار ہوا

اے مسیحِ قادیاں اے مہدئ آخر زماں
اے کہ جس کے نور سے حیران ہیں تاریکیاں
تیری تائیدوں میں تھے ارض و سما صبح و مسا
اے کہ جس کا ہر بیاں ہر قول تھا معجز نما
اے کہ جو اخلاق میں آقا کی اِک تصویر تھا
دشمنانِ دینِ احمدؐ کے لئے شمشیر تھا
تجھ پہ ہو رحمت خدا کی اے مرے ماہِ تمام
تجھ پہ ہوں لاکھوں سلام اے خادمِ خیر الانام

غلامِ احمدِ مختار کا لختِ جگر تُو ہے
کلیدِ کامرانی مژدۂ فتح و ظفر تُو ہے
وہ جس کی دید کو آنکھیں ترستی تھیں زمانے کی
ہوئیں تاریکیاں کافور جس سے وہ قمر تُو ہے
وہ تو ہے جس کے دم سے کفر کی دنیا میں لرزہ ہے
خس و خاشاکِ باطل کے لئے برق و شرر تُو ہے
وہ جس کے فیض سے اقوامِ عالم برکتیں پائیں
مرے آقا، مرے محمودؔ وہ عالی گہر تُو ہے

کفرگڑھ میں بھی یہ ایمان ہے درویشوں کا
ربِّ کعبہ ہی نگہبان ہے درویشوں کا
اپنے مولا سے ہے کیا رشتۂ الفت ان کا
وہ ہیں رحمان کے رحمان ہے درویشوں کا
اپنے مولا کی ہی توحید کے گُن گاتے ہیں
سر اسی راہ میں قربان ہے درویشوں کا

فضا خموش گھٹا بھی ہے جھومتی آتی
ہے آرزو یہی ایسے میں یار آ جائے
کبھی تو قلبِ حزیں میں سکون ہو پیدا
خزاں رسیدہ چمن میں بہار آ جائے
پلا دے لا کے اے ساقی کہیں سے مَے ایسی
کہ جام ہاتھ میں دیکھوں خمار آ جائے

ہمّت تری بلند میرے نوجواں رہے
ایسا نہ ہو کہ ناؤ تیری درمیاں رہے
ہو اس طرح سے زینۂ رفعت پہ گامزن
پیروں تلے زمیں نہ رہے آسماں رہے
اب تک تو غفلتوں میں ہی سوئے رہے فضول
اور سعئِ ناتمام پہ ہی شادماں رہے

ان کی دیرینہ وفاؤں کو نہ جانے کیا ہوا
مسکراتی سی اداؤں کو نہ جانے کیا ہوا
وہ تو بدلے ہی تھے ظافر یہ سمجھ آتی نہیں
اب زمانے کی ہواؤں کو نہ جانے کیا ہوا

مفلسی میں گیا وقار مرا
کون سنتا ہے حالِ زار مرا
آہ افلاس نے کیا رُسوا
ورنہ بندوں میں تھا شمار مرا

آن ہی پہنچی جو ہاتف سے ندائے الرّحیل
چل دئے فی الفور جانِ جاں سوئے جانانِ جاں
اک اداسی چھاگئی ہر سُو در و دیوار پر
بزمِ ہستی کا ہر اک ذرّہ ہوا ماتم کناں
کون بھولے گا بھلا چھبّیس کی گھمبیر رات
کوکھ سے جس کی ہوئی ہے قدرتِ ثانی عیاں
رحمتیں چھائیں غم و اندوہ کے بادل چھٹے
گلشنِ احمد میں آئی پھر بہارِ جاوداں

بیٹھے تھے جس کی دید کا ارماں لئے ہوئے
آنکھوں میں انتظار کی جھڑیاں لئے ہوئے
نکلا حرا سے ہاتھ میں قرآں لئے ہوئے
تسکینِ دو جہان کا ساماں لئے ہوئے
قرآں خدا کے فضل کی باراں لئے ہوئے
اک لازوال چشمۂ عرفاں لئے ہوئے

شکرِ خدا نصیب ہے صد سالہ جوبلی
آقا مرے قبول ہو تبریک صد ہزار
بہرِ دعا جو آپ نے اپنے اٹھائے ہاتھ
ہر دل تھا درد مند اور ہر آنکھ اشکبار
کس باخُدا کی جلوہ فروزی ہوئی ہے آج
ہر سانس عِطر بیز ہے ہر دم ہے خوشگوار

خلافت ہی سے ہے دینِ متیں کو تمکنت حاصل
سدا تائید و نصرت کے نظارے ہم نے دیکھے ہیں
رہیں گے بے خطر بڑھتے تلاطم خیز لہروں میں
کہ طوفانی بھنور میں ہی کنارے ہم نے دیکھے ہیں
عجب کیا ہے جو ابدالِ عرب اڈے چلے آئیں
کہ دستِ غیب کے خفیہ اشارے ہم نے دیکھے ہیں

لا جرم شاہد ہیں دارالذکر کے دیوار و در
کر گئے وعدہ وفا، پیکر وفا کے، وقت پر
خوں شہیدوں کا کبھی بھی رائیگاں جاتا نہیں
اُس کے ہر قطرے سے پھوٹیں گے کئی مثمر شجر
جس سے تھا عہدِ وفا باندھا بلیٰ کہتے ہوئے
ہاں وہی ربِّ الستُ و خالقِ شمس و قمر

گر مرد ہیں قوّام قواریر ہیں نسواں
مت بھولیو سرکارِ دو عالم کا یہ فرماں
ہر خم ہی لگے اُن کا خمِ گیسوئے خمدار
لا ریب کجی میں بھی ہے اِک حسن کا ساماں

زندگی بخش ہیں لمحے تری رفاقت کے
برسرِعام ہیں چرچے تری شرافت کے
چارہ سازوں نے لا علاج کہا
کر دئے فیصلے تری علالت کے
غیب سے آئی لا تقنطوا کی صدا
ہوئے آثار ہویدا تری شفاعت کے
اپنے فضلوں سے زندگی دے دی
صدقے جاؤں میں اس عنایت کے

اب خیال آتا ہے کیوں عمر گنوا دی یونہی
کچھ تو اس عمر میں اپنا بھی سنوارا ہوتا
مجھ کو افسوس نہ انجام کا ہوتا ظافرؔ
وقت گر یادِ الٰہی میں گزارا ہوتا